حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ اخلاق حسین دہلوی

Marfat.com

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

گوہر

مرتبہ

علامہ اخلاق حسین دہلوی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور، کراچی - پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	حضرت محبوب الٰہی
مصنف	علامہ اخلاق حسین دہلوی
اشاعت	جون 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z172
قیمت	[redacted]

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-221201-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ	۹
۲	خاندانی حالات	۱۳
۳	پیدائش	۱۵
۴	والد بزرگوار	۱۶
۵	وفات والد بزرگوار	۱۷
۶	تعلیم	۱۷
۷	دستارِ فضیلت	۱۸
۸	دلّی آنا	۱۹
۹	دلّی میں تعلیم	۲۰
۱۰	اساتذہ	۲۱
۱۱	شادی مقریؒ	۲۱
۱۲	مولانا علاء الدین اصولیؒ	۲۲
۱۳	خواجہ شمس الدین خوارزمیؒ	۲۴
۱۴	مولانا کمال الدین زاہدؒ	۲۵
۱۵	سلطان جیؒ	۲۷
۱۶	غائبانہ محبّت	۲۸
۱۷	بابا فرید گنج شکرؒ	۳۱
۱۸	بیعت کیا ہے ؟	۳۷
۱۹	تجدیدِ بیعت	۳۸
۲۰	بیعت کا طریقہ	۳۸
۲۱	بیعت کی قسمیں	۳۹
۲۲	بیعت ہونا	۴۰
۳۲	حلق	۴۵
۲۴	بیعت کے بعد	۴۶
۲۵	حضرت بابا فریدؒ سے پڑھنا	۴۶
۲۶	دُعا	۴۸
۲۷	روزہ	۴۹
۲۸	نانی وجانی	۵۰
۲۹	خلعت وملبوس خاص	۵۱
۳۰	تعویذ	۵۱
۳۱	عصا	۵۲
۳۲	مخالفین	۵۲
۳۳	دل کا زنگ	۵۳

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۴	عمل حلِ مشکلات	۵۳
۳۵	نمازِ اشراق	۵۴
۳۶	نماز شکرُ اللہ	〃
۳۷	نماز استعاذہ (پناہ مانگنا)	〃
۳۸	نماز استخارہ	〃
۳۹	نمازِ تہجد	۵۵
۴۰	شبِ برآت	۵۵
۴۱	سورۂ فاتحہ	۵۶
۴۲	استقامت	۵۶
۴۳	قاشِ تربوزہ	۵۷
۴۴	لعابِ دہن	۵۸
۴۵	سورۂ یوسف	۵۸
۴۶	استغنار	۵۸
۴۷	خلافت کیا ہے ؟	۵۹
۴۸	خلافت کی قسمیں	۵۹
۴۹	خلافت ملنا	۶۰
۵۰	خلافت نامہ	۶۱
۵۱	اجودہن سے دلّی آنا	۶۳
۵۲	خواجہ سید محمد کرمانیؒ	۶۴
۵۳	سید محترم کا اجودہن پہنچنا	۶۴
۵۴	تبرکات کا عطیہ	۶۵
۵۵	زیارت وحصول تبرکات	۶۶
۵۶	سفر اجودہن	۶۷
۵۷	قیام گاہیں	۷۱
۵۸	قتلغ خاں کا حوض	۷۴
۵۹	غیاث پور	۷۶
۶۰	ابتدائی مجاہدے	۷۷
۶۱	اللہ کے مہمان	۷۷
۶۲	خربوزے کی فصل	۷۸
۶۳	کھچڑی	۷۸
۶۴	روٹی	۷۹
۶۵	زنبیل گردانی	۸۰
۶۶	ہدیۂ جلالی	۸۰
۶۷	مردانِ غیب	۸۲
۶۸	رجوعِ خلائق	۸۴
۶۹	تبلیغ	۸۸
۷۰	تبلیغی سرگرمیاں	۹۸
۷۱	حاسدانہ سازشیں	۱۰۵
۷۲	سماع کیا ہے ؟	۱۱۱
۷۳	محضرِ سماع	۱۱۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۴	آخری عمر کے مجاہدات	۱۱۷
۷۵	نماز باجماعت	۱۱۷
۷۶	سحری	۱۱۸
۷۷	نمازِ فجر اور ملاقات	۱۱۸
۷۸	قیلولہ	۱۱۹
۷۹	انتظار	۱۲۰
۸۰	نماز ظہر	۱۲۰
۸۱	ملاقات بعد ظہر	۱۲۱
۸۲	روزے	۱۲۱
۸۳	تواضع	۱۲۲
۸۴	نمازِ عشاء	۱۲۳
۸۵	بعد عشاء	۱۲۳
۸۶	تجرید	۱۲۴
۸۷	نماز جمعہ	۱۲۴
۸۸	ہدیۂ مادیان (گھوڑی)	۱۲۵
۸۹	شادی	۱۲۶
۹۰	عملیات	۱۲۷
۹۱	دعا مانگنے کا طریقہ	۱۲۸
۹۲	فراخیٔ معاش	۱۲۸
۹۳	حل مشکلات	۱۲۹
۹۴	مغلوبیٔ دشمن	۱۳۰
۹۵	نظر کا تعویذ	۱۳۰
۹۶	اسمِ اعظم	۱۳۱
۹۷	کھوئی چیز کا ملنا	۱۳۱
۹۸	استسقا	۱۳۱
۹۹	تعویذ شفائے مریض	۱۳۱
۱۰۰	مقبولیتِ نماز	۱۳۲
۱۰۱	ملفوظات	۱۳۲
۱۰۲	علالت	۱۳۷
۱۰۳	وصال	۱۳۹
۱۰۴	خلفاء	۱۴۰
۱۰۵	مولانا شمس الدین یحییٰؒ	۱۴۰
۱۰۶	مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ	۱۴۱
۱۰۷	شیخ حسام الدین ملتانیؒ	۱۴۱
۱۰۸	مولانا علاء الدین نیلیؒ	۱۴۲
۱۰۹	مولانا فخر الدین زرادیؒ	۱۴۲
۱۱۰	خواجہ محمد امامؒ	۱۴۳
۱۱۱	مولانا شہاب الدین امامؒ	۱۴۳
۱۱۲	قاضی محی الدین کاشانیؒ	۱۴۴
۱۱۳	مولانا وجیہ الدین یوسف چندیریؒ	۱۴۵

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۱۴	مولانا برہان الدین غریبؒ	۱۴۶
۱۱۵	شیخ قطب الدین منورؒ	۱۴۶
۱۱۶	مولانا سراج الدین عثمان اخی سراجؒ	۱۴۷
۱۱۷	علاقائی مراکز	۱۴۸
۱۱۸	مخصوص مرید	۱۴۹
۱۱۹	زیرِ تربیت	۱۵۰
۱۲۰	خواجہ رفیع الدین ہارونؒ	۱۵۰
۱۲۱	خواجہ ابوبکر مصلّی دارؒ	۱۵۲
۱۲۲	اہلِ قلم	۱۵۵
۱۲۳	حضرت امیر خسروؒ	۱۵۵
۱۲۴	امیر حسن علا سنجریؒ	۱۵۶
۱۲۵	خواجہ ضیا الدین برنیؒ	۱۵۸
۱۲۶	مولانا فخر الدین زرادیؒ	۱۶۰
۱۲۷	مولانا شمس الدین یحییٰؒ	۱۶۰
۱۲۸	مولانا علاء الدین نیلیؒ	۱۶۰
۱۲۹	خواجہ محمد امامؒ	۱۶۰
۱۳۰	خواجہ عزیز الدین صوفیؒ	۱۶۱
۱۳۱	علی بن محمود جاندار شاہ	۱۶۱
۱۳۲	امیر خورد سید محمد کرمانیؒ	۱۶۲
۱۳۳	ناحق اہلِ قلم	۱۶۶
۱۳۴	شمس سراج عفیفؒ	۱۶۶
۱۳۵	مولانا قاسم بن عمرؒ	۱۶۷
۱۳۶	خواجہ عزیز الملۃ والدینؒ	۱۶۸
۱۳۷	خواجہ جہاں احمد ایازؒ	۱۶۸
۱۳۸	مستند سیر الاولیاء	۱۶۹
۱۳۹	آستانہ شریف	۱۷۱
۱۴۰	درگاہ شریف کا گرد و پیش	۱۷۵
۱۴۱	مسجد خلجی	۱۷۷
۱۴۲	مرزا جہاں گیر کا محجر	۱۷۸
۱۴۳	محجر محمد شاہ بادشاہ	۱۸۰
۱۴۴	محجر جہاں آرا بیگم	۱۸۰
۱۴۵	درگاہ حضرت امیر خسروؒ	۱۸۱
۱۴۶	صفہ ستون	۱۸۵
۱۴۷	بیرونی عمارتیں اور مزارات	۱۸۶
۱۴۸	شمع برج	۱۸۶
۱۴۹	بارہ کھمبہ	۱۸۸
۱۵۰	لال محل	۱۸۹
۱۵۲	چوسٹھ کھمبہ	۱۹۰
۱۵۳	مزارِ غالب	۱۹۱

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵۴	مزار خواجہ محمد امامؒ	۱۹۲
۱۵۵	کمرہ مرزا سلیمان جاہ	۱۹۲
۱۵۶	مزار آصف	۱۹۳
۱۵۷	مزاراتِ اولیاء	۱۹۴
۱۵۸	خواجہ تقی الدین نوحؒ	۱۹۴
۱۵۹	امیر خورد کرمانیؒ	۱۹۵
۱۶۰	بری کا گنبد	۱۹۵
۱۶۱	خانقاہ مرزا بہرام شاہ	۱۹۶
۱۶۲	مقبرہ اتکہ خاں	۱۹۶
۱۶۳	مکان منشی سعادت علی	۱۹۷
۱۶۴	عقب لنگر خانہ	۱۹۷
۱۶۵	مسجد	۱۹۸
۱۶۶	مشائخ منزل	۱۹۸
۱۶۷	نواب مغل بیگ خانِ عرب	۱۹۹
۱۶۸	نواب احمد بخش خاں	۲۰۰
۱۶۹	نواب ضیاء الدولہ	۲۰۰
۱۷۰	مقبرہ خواجہ حسن نظامیؒ	۲۰۱
۱۷۱	مقبرہ خانِ جہاں تلنگی	۲۰۳
۱۷۲	خانِ جہاں تلنگی مقبول	۲۰۵
۱۷۳	خانِ جہاں تلنگی جونا نشہ	۲۰۶
۱۷۴	جامع فیروز شاہی (کالی مسجد)	۲۰۷
۱۷۵	میر محمد زماں خانِ عرب	۲۱۱
۱۷۶	گرد و نواح	۲۱۲

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی سوانح حیات بلاشبہ وہی شخص لکھ سکتا ہے جو عالم بھی ہو اور عارف بھی۔ اور میں ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوں لیکن حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے تعلق خاطر کا وہ جذبہ جو مجھے اپنے والدین سے وراثت میں ملا ہے ایکا ایکی کچھ ایسا چھایا کہ سوانح حیات کی ترتیب و تدوین کے لیے آمادۂ عمل کر ہی دیا اور بلا تامل آغاز کرتے ہی بن پڑی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ سے فطری لگاؤ کی بنا پر بچپن ہی سے مجھے حضرت کے ملفوظات اور سوانح کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہے۔ اور استعداد کے مطابق ابتدا میں تراجم سے اور پھر فارسی نسخوں کے مطالعہ سے مستفید اور تذکروں سے متمتع ہوتا رہا ہوں۔

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

اور اگرچہ مطالعہ اور معلومات کے اس ذخیرے نے عزم و ارادہ کو تقویت بخشی لیکن یہ

Marfat.com

کتنا بڑا المیہ ہے کہ یہی ذخیرۂ معلومات قدم قدم پر سدِّ راہ رہا بلکہ اس نے ایسے خارزار میں دھکیل دیا تھا کہ اگر توفیق الٰہی سازگار نہ ہوتی تو سلامتی کے ساتھ نکلنا محال تھا ع

اے روشنئ طبع بر من بلا شدی

مختصر یہ ہے کہ جنھوں نے ترجمے کیے ہیں فارسی تو کیا انھیں اُردو زبان کے اسالیب پر بھی عبور نہیں۔ زبان ہی پر قدرت ہے اور نہ قلم ہی قابو میں ہے حتّٰی کہ جہاں بیان سادہ وصاف ہے وہاں بھی حشو و زوائد اور الحاق و تحریف سے بچ نہیں سکے ہیں اور جہاں اسلوب میں قدرے نزاکت ہے یا روزمرہ و محاورہ کی چاشنی ہے۔ وہاں نہ پوچھیے کہ کیا کیا گل کھلائے ہیں اور جہاں کہیں عقیدت مندی کے لیے کوئی شوشہ مل گیا ہے وہاں ان کی کھوکھلی عقیدت جس آب و رنگ میں جلوہ گر ہے۔ دیکھنے ہی کے لائق ہے۔

الغرض ان کرشمہ سازوں نے ملفوظات و سوانح کو اچھی خاصی بھول بھلیاں بنا دیا ہے جس کی وجہ سے اصل مدعا تک رسائی نہ صرف دشوار بلکہ محال ہو گئی ہے اور بلاشبہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی ذات گرامی سے کما حقہٗ آگاہی قریب قریب امر محال ہے لیکن سوانح نگار کا مدعا صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ سیرت کا قابل تقلید مرقع پیش کر دے تو کیا سیر الاولیاء کے سوا اور بھی کوئی کتاب ایسی ہے۔ جو اس مقصد میں کامیاب سمجھی جاتی ہو۔ نہیں، ہرگز نہیں۔

پھر یہ بھی ایک المیہ ہے کہ سیر الاولیاء کا چرنجی لال ایڈیشن جو کمیاب ہونے کے باوجود دستیاب ہو جاتا ہے اس نسخے کی ایک نقل سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے جو ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء میں عبداللہ جیو اور حبیب اللہ مصحح کے زیر اہتمام مرتب ہوا تھا۔ اور جو الحاق و تحریف سے بھرپور ہے۔ اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ ہر اہلِ ذوق کو دورانِ مطالعہ میں الحاق و تحریف کا احساس ہوا ہو گا۔ لیکن اس کے انکشاف کی سعادت

مجھے مقدر تھی لہٰذا میں نے ہی سب سے پہلے ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء میں اس کی نقاب کشائی کی سعادت حاصل کی اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے مخطوطہ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء سے میرے بیان کی تصدیق ہوئی اور میرے انکشاف کو حقیقت تسلیم کیا گیا۔

بہر حال میں نے صرف فوائد الفواد، افضل الفوائد اور سیر الاولیا، ہی کو اپنے لیے ماخذ قرار دیا ہے اور سیر الاولیار سے معلومات حاصل کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا ہے، تاہم کسی امر کا دعویٰ دار نہیں۔ اس کے علاوہ ناقص تراجم اور غیر مستند سوانح حیات کے مطالعہ سے جو کچھ میرے ذہن میں تھا چوں کہ وہ ناقابلِ اعتنا تھا۔ اس لیے متن میں نہیں بلکہ حواشی میں اسے بھی منضبط کر دیا ہے تاکہ تقابل سے ناظرین کو اس کے حُسن و قبح سے آگاہی ہو جائے۔ اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے لاعلمی کی بنا پر اسے شامل نہیں کیا بلکہ اس حقیقت سے باخبر رہیں کہ واقف و آگاہ ہونے کے بعد میں نے اسے مسترد قرار دیا ہے۔

ایک اہم مسئلہ سنین کا ہے جو عموماً روایتی ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی روایت و درایت میں ایک گونہ علاقہ ہوتا ہے جس سے واقعات کی ترتیب منضبط رہتی ہے لیکن حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے باکمال سوانح نگاروں نے جو روش اختیار کی ہے، وہ نرالی ہی ہے جو واقعات کو منضبط ہونے نہیں دیتی۔ تاہم میں نے اس خامی کو رفع کرنے کے لیے اور واقعات میں ترتیب و تنظیم قائم رکھنے کے لیے جو راہِ عمل اختیار کیا ہے ناظرین خود اندازہ کرلیں گے وہ کس قدر بدیہی اور حقائق سے کس قدر قریب تر ہے۔ اور بارہویں صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے باکمالوں نے اسے کس طرح اوجھل اور نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور کیسے کیسے من مانی کرتے ہیں۔ بہر حال اب یہ طلسم بھی ٹوٹ گیا ہے اور حقیقت آشکارہ ہوگئی ہے۔ تاہم تحقیق کا دائرہ وسیع ہے اور اگرچہ اب تک کی تحقیق یہ ہے، لیکن تکمیل کا دعویٰ پھر بھی نہیں ہے۔ البتہ سنین کے باب میں اس سے قبل جو کچھ لکھا جا چکا ہے اب وہ بذاتِ خود مؤثر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس تحقیق سے متاثر سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متن اس کتاب کا مستند معلومات سے مرتب ہوا ہے اس لیے خود بخود سیرت کا مُونھ بولتا مرقع بن گیا ہے اور قابلِ تقلید زندگی کو بڑی خوبی سے پیش کرنے لگا ہے اور یہی مقصود ہوتا ہے سوانح نگاری کا۔ اور یہ کرم ہے رب العالمین کا اور رب العالمین ہی سے یہ التجا ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے صدقے میں اسے قبولیت نصیب ہو اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے جن کی وراثت اور تربیت کا یہ ثمرہ ہے وسیلۂ مغفرت بنے۔ آمین ثم آمین۔

اخلاق حسین دہلوی غفرلہٗ
لال محل
حضرت نظام الدین اولیا نئی دِلّی ۱۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ
اللهُ اَكْبَرْ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ
الْعَلِيِّ الْعَظِيْمُ

خاندانی حالات

حضرت محبوب الٰہیؒ سلطان المشائخ خواجہ محمد نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کے دادا بزرگوار کا نام خواجہ علیؒ اور نانا بزرگوار کا نام خواجہ عربؒ تھا۔ اور یہ دونوں بزرگ[1]

---

[1] حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی سیادت و نجابت مسلم ہے۔ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم رویا میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے فرمایا کہ مولانا نظام الدین محمد نواز فرزندان مائی (سیر الاولیاء صنا۲ پ) مگر وہ جعلی شجرے اور نسب نامے جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے منسوب کیے جاتے ہیں متضاد و مختلف ہیں اس لیے ناقابلِ اعتبار ہیں۔ (ارمغان تحقیق جلد ۲ صہ ۵ تا ۱۰) (نوٹ: پ سے مراد چرنجی لال ایڈیشن ہے۔)

Marfat.com

سادات کرام سے تھے۔ اور ان دونوں میں گہری دوستی بھی تھی۔ خواجہ عربؒ بہت مالدار تھے۔ ان کے پاس نوکر چاکر اور لونڈی غلام بہت سے تھے۔ جو صنعت و حرفت اور کاروبار تجارت سے دولت کماتے اور اپنے آقا کو دیتے تھے۔ جس سے دولت بڑھتی رہتی تھی۔ یہ دونوں بزرگ بخارا کے رہنے والے تھے۔ عہدِ چنگیزی[1] میں بخارا میں رہنا چھوڑ دیا۔ اور غزنی[2] ٹھیرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ کچھ دن لاہور میں رہے۔ پھر بدایوں[3] چلے آئے۔ اور بدایوں ہی میں رہنے لگے۔ ان ہی دنوں میں خواجہ عرب[4] نے اپنی اکلوتی بیٹی رابعہ عصر

---

[1] : تموجین نام اور چنگیز خاں لقب تھا۔ جس کے معنی ہیں، بادشاہوں کا بادشاہ۔ تاتاری نسل سے تھا اور بڑا ہی خونریز اور جہاں سوز تھا۔ اور ہلاکو خاں اسی کا پوتا تھا یہ ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء میں تخت نشین ہوا۔ جس ملک پر حملہ کرتا اینٹ سے اینٹ بجوا دیتا۔ آگ لگوا دیتا اور عمارتوں کو مسمار کرا دیتا تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کو قید کرایا اور تلوار کے گھاٹ اتروا دیتا۔ خوارزم، ترمذ، بلخ، بخارا، طوس، ہرات، نیشاپور، غزنی اور لاہور و ملتان تک اس کے لشکر نے تاخت و تاراج کیا۔ آخر کار رمضان ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء میں بعمر ۷۳ سال کروڑوں بے گناہوں کا خون گردن پر لے کر مر گیا۔ اور دنیا کو اس کے ظلم سے نجات ملی (تاریخ جدولیہ تذکرہ الکرام)

[2] : ذکر الاصفیا صہ ۱۲۔

[3] : بدایوں موجودہ زمانے میں اُتر پردیش کا مشہور شہر اور ضلع ہے اور عہدِ ماضی میں قبۃ الاسلام تھا۔

[4] : اتنی دولت و ثروت کے باوجود خواجہ عرب کے دو ہی بچے تھے ایک صاحبزادی جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی والدہ تھیں اور بی بی زلیخا ان کا نام تھا۔ ولیۂ خدا اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ مزار پُر انوار موضع اڑچنی دلی میں ہے اور مہرولی روڈ پر نزد مہرولی ہے۔ ۲۹، ۳۰ جمادی الاوّل کو سالانہ عرس ہوتا ہے۔ آپ کے حالات و کرامات پر راقم نے ایک کتاب لکھ دی ہے۔ جو عنقریب چھپ جائے گی۔ دوسرے ایک صاحبزادے تھے۔ جن کا نام خواجہ عبداللہ تھا اور چار پشت تک ان کی اولاد کے نام ملتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت بی بی زلیخاؒ کی شادی خواجہ علیؒ کے صاحبزادے خواجہ احمدؒ سے کر دی اور اپنے شایانِ شان جہیز اور ساز و سامان دیا۔ نیز دوستی کے علاوہ ان دونوں بزرگوں میں یہ نئی رشتہ داری[1] بھی ہو گئی۔ جس سے ان دونوں بزرگوں کو حضرت محبوبِ الٰہی کے نانا اور دادا ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

پیدائش

حضرت محبوب الٰہیؒ صفر کے مہینے میں آخری بدھ[2] کے دن پیدا ہوئے۔ خواجہ محمد آپ

---

[1] : اس پہلی اور نئی رشتہ داری کے متعلق امیر خوردؒ کا بیان ہے کہ میاں دو بزرگ اتفاق قرابتے شد (سیر الاولیاء صہ ۹۴ ج) عہد شاہجہانی کے اہلِ قلم شیخ عبدالرحمن چشتیؒ لکھتے ہیں کہ میان ہر دو بزرگ قرابتے شد (مراۃ الاسرار قلمی صہ ۲۱ مخطوطہ ۱۰۶۵ھ) عہد عالمگیری کے اہلِ قلم قاضی محمد بلاق مرحوم لکھتے ہیں کہ اتفاقاً میاں ایں دو بزرگ قرابتے واقع شد (مطلوب الطالبین قلمی صہ ۸ مخطوطہ ۱۱۴۸ھ) اہل علم واقف ہیں کہ قرابتے میں یائے وحدانی ہے اور اس سے مراد پہلی قرابت ہے نیز لفظ اتفاق و اتفاقاً سے تائید مزید معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ تمام شجرے جن میں ان دونوں بزرگوں کو برادر عم زاد بنا دیا گیا ہے جعلی اور مسترد قرار پاتے ہیں۔

[2] : حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے ، روز چہار شنبہ آخریں ماہ صفر قوی با برکت است۔ تولد ایں ضعیف ہمدریں روز است۔ (سیر الاولیاء صہ ۳۸۷ چ نکتہ او را و ہفتہ ...الخ) مگر بعض سوانح نویسوں نے بدھ ۲۷ صفر ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء اور بعض نے بدھ ۲۷ صفر ۶۳۴ھ / ۱۲۳۸ء لکھا ہے۔ مگر بروئے تقویم ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء میں آخری بدھ ۲۶ صفر کو ہے اور ۶۳۶ھ / ۱۲۳۸ء میں آخری بدھ ۲۴ صفر کو ہے۔ نیز ان سنون سے حضرت محبوب الٰہیؒ کے بیانات کی مطابقت بھی نہیں ہوتی جو بابا فرید شکر گنجؒ سے بیعت و خلافت سے متعلق ہیں اس لیے یہ قطعاً غلط ہیں۔ دراصل یوم پیدائش آخری بدھ ۲۷ صفر ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء ہے (بقیہ صہ پر)

کا نام رکھا گیا۔ اور نظام الدین آپ کا لقب ہوا۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو پیار سے نظام کہا کرتی تھیں۔ کہتے ہیں[1] کہ حضرت محبوب الٰہیؒ ہمیشہ آخری بدھ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ اسی کی یادگار میں ہر سال آخری بدھ کے دن عقیدت مند درگاہ شریف میں جمع ہوتے ہیں۔ اور نمازِ صبح کی اذان سے پہلے عرق گلاب و کیوڑہ سے حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر انوار کو غسل دیا جاتا ہے بعد میں اس غسالہ کو پانی میں ملا دیتے ہیں۔ اور عقیدتمند اس پانی کو تبرکاً لے جاتے ہیں۔ اور بیماروں کو پلاتے ہیں۔ جس سے انھیں شفا ہو جاتی ہے۔

والد بزرگوار

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے والد ماجد خواجہ احمدؒ مادرزاد ولی[2] اور عالمِ باعمل تھے۔ بادشاہ نے آپ کو بدایوں کا قاضی شہر مقرر کر دیا تھا۔ لیکن آپ کو اس کام سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ لہٰذا آپ اس منصب سے جلد ہی الگ ہو گئے۔ شب و روز ذکر و فکر اور مشاہدۂ حق میں مشغول رہتے۔ اور مخلوق کو ہدایت فرماتے اور نیک عمل کی دعوت دیتے رہتے۔ اور یہی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جو تقویم کی روح سے بھی درست ہے۔ اور ارشاداتِ محبوبی سے بھی مطابقت ہے۔ اور یہ عہد ناصر الدین محمود (۶۴۳ تا ۶۶۴ھ) کا ہے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں کہ جب دلی آئے تھے تو آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی اور غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ (سیر العارفین ص ۵۹) اس سے بھی ظاہر ہے کہ سنہ ۶۳۴ھ اور سنہ ۶۳۶ھ کو سن پیدائش قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

[1] : مطلوب الطالبین قلمی ص ۸

[2] : مطلوب الطالبین قلمی ص ۱۰ بحوالۂ تذکرۃ الاصفیاء۔

والد بزرگوارؒ کی وفات

حضرت محبوبِ الٰہیؒ بہت ہی کم سن تھے اور ابھی پڑھنے بھی نہیں بیٹھے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار بیمار ہو گئے بیماری ہی کے دنوں میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی والدہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ کوئی یہ کہتا ہے: دونوں میں سے کسی ایک کو لے لو۔ چاہے بیٹے کو لے لو اور چاہے شوہر کو۔ اور آپ نے بیٹے کو لے لیا۔ اور اگرچہ اس خواب کی یاد سے دل پریشان رہتا تھا۔ مگر آپ نے یہ خواب کسی کو سنایا نہیں۔ البتہ یہ دیکھا کہ خواجہ احمدؒ کی بیماری روز بروز بڑھتی چلی گئی اور اسی بیماری میں وہ اللہ کے پیارے ہو گئے۔ مزار پُر انوار سوادِ بدایوں میں ہے۔ ہر سال ۵؍ذی الحجہ کو عرس ہوتا ہے۔ بکثرت مخلوق زیارت کو آتی ہے۔ آج کل قاضی سید محفوظ حسن صاحب وہاں کے صاحبِ خدمت ہیں۔

تعلیم

حضرت محبوبِ الٰہیؒ جب ذرا بڑے ہوئے اور پڑھنے کے لائق ہو گئے تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو پڑھنے بٹھا دیا۔ پہلے آپ نے قرآن مجید ناظرہ پڑھا جب قرآن مجید ختم کر لیا تو کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ کوئی بارہ برس کی عمر تھی تو آپ لغت کی کتاب پڑھا کرتے تھے۔

ك: قاضی محمد بلاق مرحوم نے بحوالۂ سیر الاولیا، خواجہ احمدؒ کا سن وفات ۶۴۱ھ لکھا ہے۔ مطلوب الطالبین قلمی ص۱۰۱۔ مگر سیر الاولیا چرنجی لال ایڈیشن میں یہ ذکر ہمارے مطالعہ میں نہیں آیا۔ اور یہ سن ہے بھی غلط۔

Marfat.com

آپ قدرتاً ذہین اور محنتی تھے اور علم سے آپ کو دلی لگاؤ تھا۔ اس لیے آپ نے نوعمری ہی میں بڑی بڑی کتابیں پڑھ لیں۔ جب آپ ایک بڑی کتاب[1] پڑھ رہے تھے۔ اور وہ قریب ختم تھی تو آپ کے مشفق استاد مولانا علاؤ الدین اصولی[2] نے فرمایا کہ اب تم ایک معتبر کتاب ختم کرنے والے ہو۔ اب دستار فضیلت تمہیں باندھنی چاہیئے۔

دستارِ فضیلت

آپ نے اپنے شفیق استاد کی یہ گفت گو اپنی والدہ محترمہ کو سنائی۔ والدہ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اپنے ہاتھ سے سوت کاتا اور دستار بنوائی۔ اور جب وہ کتاب ختم ہو گئی تو ایک دن بدایوں کے عالموں اور فاضلوں کو کھانے پر بلایا۔ اس دعوت میں خواجہ علی[3]ؒ بھی شریک تھے جو شیخ جلال الدینؒ تبریزی کے مرید اور مشہور صاحبِ کرامت بزرگ تھے جب یہ سب بزرگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ دستار ہاتھ میں لے کر آئے۔ خواجہ علیؒ نے ایک سرا پکڑا اور فرمایا تم خود ہی باندھو۔ آپ نے سب بزرگوں

---

[1] : مخدوم نصیر الدین چراغ دلی فرماتے ہیں کہ آپ فقہ کی مشہور کتاب قدوری پڑھ رہے تھے۔ (ترجمہ خیر المجالس ص۱۴۵ و سیر العارفین ص۸۲)، ضامن علی مرحوم لکھتے ہیں کہ آپ بخاری شریف پڑھ رہے تھے (حاشیہ ترجمہ مطلوب الطالبین ص۱)

[2] : سیر العارفین ص۸۲، ترجمہ خیر المجالس ص۱۴۵۔

[3] : خواجہ علیؒ کو علی مولا خورد بھی کہتے ہیں یہ خواجہ علی قوم کے امیر تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی کی توجہ سے مسلمان ہوئے اور یہ مقام حاصل کیا کہ جملہ علماء اور مشائخ ان سے برکت حاصل کرتے اور قدم چومتے تھے۔ حالانکہ یہ کچھ نہ جانتے تھے صرف پنج وقتہ نماز ہی پڑھتے تھے۔ (ترجمہ خیر المجالس ص۱۴۶، ۱۴۷)

کے سامنے دستار سر پر باندھی اور خواجہ علیؒ کی قدم بوسی فرمائی۔ خواجہ علیؒ نے دعا دی کہ خدائے پاک تمھیں علمائے دین کے زمرے میں داخل کرے اور ہمت اور حوصلے کی انتہا کو پہنچائے۔ پھر آپ دوسرے علما، کے قدم بوس ہوتے اور انھوں نے بھی دعائیں دیں [۱]

دِلّی آنا

حضرت محبوب الٰہیؒ جب بدایوں میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تو آپ نے تعلیم کو پورا کرنے کے لیے دلّی آنے کا ارادہ کیا اور چلے آئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ [۲] سال کی تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کی والدہ محترمہ اور ہمشیرہ [۳] عزیزہ بھی دلّی آئیں۔ جب آپ دلّی آئے تو سرائے میاں بازار میں اترے۔ اسے سرائے نمک بھی کہتے تھے۔ والدہ محترمہ اور ہمشیرہ عزیزہ کو تو سرائے کے ایک مکان میں اتارا جو آپ نے کرایہ پر لیا تھا اور خود سرائے کے دروازے کے سامنے بارگاہ قواس [۴] میں ٹھیرے۔ پڑوس [۵] ہی میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

ا : سیر الاولیا ص ۹۵، ۹۶۔ ب چ

۲ : محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ چوں شانزدہ (۱۶) سالہ شدم عزیمت دہلی شد (سیر الاولیا ص ۱۰۱ ج) گویا کہ آپ ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء عہد ناصر الدین محمود (۶۴۳ تا ۶۶۴ ھ) میں دلی تشریف لائے۔

۳ : قدیم تذکروں میں یہ ذکر نہیں کہ ان کا کیا نام تھا حضرت سے بڑی تھیں یا چھوٹی تھیں البتہ متاخرین میں سے کسی نے بی بی جنت نام بتایا ہے اور کسی نے بی بی زینب نام اور بی بی جنت عرف بتایا ہے لیکن ماخذ نہیں بتایا۔

۴ : کمان بنانے والا۔

۵ : در جوار شیخ نجیب الدین متوکل برادر شیخ شیوخ العالم فرود آمدیم (سیر الاولیا ص ۱۰۱ ج)، فوائد الفواد جلد ۴ ص ۱۴۹

کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدینؒ متوکل رہتے تھے۔ جو اپنے زمانے کے کاملوں میں سے تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی ملاقات ان سے ہوئی تو آپ پہلی ہی ملاقات میں مانوس ہو گئے۔ اور یہ انسیت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی والدہ محترمہؒ کا وصال ہو گیا تو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل ہی آپ کی سرپرستی فرماتے تھے۔

دِلّی میں تعلیم

دلّی آ کر حضرت محبوبِ الٰہیؒ ہمہ تن تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ دلّی کے مشہور مشہور عالموں اور فاضلوں سے پڑھا اور شروع میں تین چار سال بڑی محنت سے پڑھنا پڑا۔ اور اس محنت کا یہ پھل ملا کہ آپ تیز طبیعت اور کامل دانش مند مشہور ہو گئے۔ بلکہ مولانا نظام الدین بحّاث اور محفل شکن کے خطابات سے یاد کیے جانے لگے۔

الغرض جب آپ نے علم فقہ اور اصولِ فقہ اور دوسرے علوم میں کمال حاصل کر لیا تو ادب العالیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمیؒ سے مقامات حریری پڑھی اور اس کے چالیس مقام زبانی یاد کر لیے۔ اور جب ادب العالیہ میں آپ کو کمال ہو گیا، تو علمِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور مشہور ترین عالمِ حدیث محمد بن احمد بن محمد ماریکلی[1] سے جو مولانا کمال الدین زاہد کے نام سے مشہور تھے۔ علمِ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار[2] بڑی تحقیق سے پڑھی اور راویوں کے حالات، سند کی صحت کے مقدمات

---

[1]: سیر العارفین صہ ۶

[2]: یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا انتخاب ہے۔ مولانا رضی الدین صنعانی اس کے مولف ہیں۔ اس کتاب کی تالیف کے دوران اگر کسی حدیث میں مولف کو دشواری لاحق ہوتی تو وہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ع: ملک یمن کا ایک مشہور قصبہ ہے۔

Marfat.com

اور علم حدیث کے دقائق و نکات پر عبور حاصل کیا۔ بلکہ مقاماتِ حریری کے کفارے میں اس ضخیم کتاب کو حفظ کرلیا۔ اور آپ نے وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم بلکہ مجتہد[۱] مانے جانے لگے۔

اساتذہ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے استادوں کا ذکر خیر بھی خیر و برکت کا سبب ہے۔ اس لیے بعض استادوں کا ذکرِ خیر شاملِ ہذا ہے :

شادی مقریؒ[۲]

صاحبِ حال اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ بدایوں میں رہتے تھے۔ ان کی یہ کرامت مشہور تھی۔ جو کوئی ان سے ایک تختی بھی پڑھ لیتا تو پورا قرآن شریف اس کو یاد ہو جاتا تھا۔ شادی مقریؒ پہلے ہندو غلام تھے۔ اور خواجگی مُقری کے شاگرد تھے۔ جو لاہور میں رہتے تھے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نبی صلعم کو خواب میں دیکھتے اور آپؐ سے اس کو حل کرا لیتے تھے۔ مولانا رضی الدین صنعانی بدایوں کے رہنے والے تھے اور کول (علی گڑھ) میں نائب امیر شریعت تھے۔ علم حدیث میں آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ آپ بیت اللہ حج کو گئے اور وہاں سے بغداد گئے تو وہاں کے علماء نے بھی آپ کا لوہا مانا اور وہاں کے بادشاہ نے بھی آپ کی بڑی عزت کی اور آپ کا شاگرد ہو گیا۔ وہاں سے آپ دلّی چلے آئے تھے۔

[۱] نظام الملۃ والدینؒ وھو مقتدی علماء دین و یکون لہ مقام الاجتہاد فی عصرہٖ (کشف المفتاح قلمی صہ ۱۰۹۔

[۲] فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۱۵۴ -

Marfat.com

اور بہت ہی بزرگ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک شخص لاہور سے بدایوں آیا۔ آپ نے اپنے استاد کی خیریت دریافت کی۔ اس نے کہا وہ خیریت ہی سے ہیں۔ پھر آپ نے لاہور کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا، بارش بہت زیادہ ہوئی بہت سے جانور مر گئے، بہت سے گھر گر گئے۔ رہنے والوں کی حالت خراب ہے۔ آپ نے فرمایا: ان حالات سے پہلے میرے استاد کا انتقال ہو گیا ہو گا۔ اس نے کہا، آپ ٹھیک فرماتے ہیں، ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے شادی مقریؒ سے ایک سیپارہ پڑھا تھا۔

(۳) مولانا علاء الدین[۱] اصولیؒ

بدایوں کے رہنے والے کامل بزرگ بلند پایہ عالم نہایت دانش مند، انصاف پسند اور بڑے ہی منکسر المزاج آدمی تھے۔ دوران سبق میں اگر کوئی مشکل لفظ یا کوئی دقیق نکتہ زیر بحث آتا تو آپ اسے بخوبی حل فرماتے اور تسلّی کے لیے یہ بھی فرما دیتے کہ ابھی پوری طرح حل نہیں ہوا ہے۔ کہیں اور بھی تحقیق کر لینا چاہیئے۔

بچپن کا ذکر ہے کہ آپ بدایوں کی گلیوں میں مٹر گشت کرتے پھر رہے تھے کہ ایک گلی میں سے گزرے تو شیخ جلال الدین[۲] تبریزیؒ اپنے گھر کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا علاؤالدین کو دیکھا تو اپنے پاس بلایا۔ اور اپنا جامہ اتار کر انھیں پہنا دیا۔ اسی دن سے وہ خوبیوں کا خزانہ ہو گئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ مولانا علاء الدین میں جس قدر

---

[۱]: فوائد الفواد جلد ۴ ص ۱۶۵۔

[۲]: ابو سعید تبریزیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور شیخ شہاب الدّین سہروردیؒ سے بھی نعمت پائی تھی دلی آ گئے تھے مگر شیخ الاسلام نجم الدّین صغریٰ نے دلی سے نکلوا دیا تھا۔ لہٰذا آپ نے بدایوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (فوائد الفواد خیر المجالس اور سیر الاولیا میں مختصر حالات موجود ہیں)۔

بھی خوبیاں تھیں وہ اسی جامہ کی برکت سے تھیں وہ بہت ہی بزرگ تھے اور بہت ہی اچھے اخلاق واوصاف کے مالک تھے۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا علاؤالدینؒ نے ایک بڑھیا لونڈی خریدی تھی۔ وہ کانبھر کی رہنے والی تھی جو بدایوں کے پاس ایک گاؤں ہے۔ ایک دن وہ رونے لگی۔ مولانا نے دریافت کیا کہ کیوں روتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرا ایک بچہ ہے اس کی جدائی کے دکھ سے میں روتی ہوں۔ مولانا نے فرمایا: یہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر ایک تالاب ہے اور وہاں سے کانبھر کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔ اگر اس تالاب تک میں تجھے پہنچا دُوں تو وہاں سے تُو اپنے گھر چلی جائے گی؟ اس نے کہا: ہاں، چلی جاؤں گی۔ مولانا نے اسے تالاب تک پہنچا دیا۔ اور وہ اپنے بچے کے پاس چلی گئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ آنسو بھر لائے اور فرمایا:

"علمائے ظواہر ایں معنی را منکر باشند اما تواں دانست که او چه کرد۔"

(علمائے ظاہر تو اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مگر سمجھنا چاہیئے کہ انھوں نے یہ کیا کیا۔)

اس ارشاد میں اشارہ غالباً حضرت رابعہ بصریؒ کے اس مقولے کی طرف ہے:

"اگر بر آب روی خسی و در ہوا پری مگسی و دل بداری کسی۔"

(اگر پانی پر چلو تو تنکے ہو، ہوا میں اڑو تو مکھی ہو اور اگر دل جوئی کرتے ہو تو مرد ہو۔)

مولانا علاءالدین اصولیؒ نہایت دانا اور بڑے ہی مردم شناس بزرگ تھے اور اگرچہ حضرت محبوب الٰہیؒ نوعمر اور طالب علم تھے۔ لیکن مولانا آپ کی علمی لیاقت کی قدر کرتے تھے اور علمی مشاغل میں آپ کو اپنا معاون بنائے رکھتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی کسی کتاب کا

مقابلہ کرنا ہوتا تو ایک کتاب اپنے سامنے رکھتے اور دوسری حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے سامنے۔ کبھی حضرت محبوب الٰہیؒ سے پڑھواتے اور خود سنتے اور کبھی خود پڑھتے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کو سناتے اور اس طرح مقابلہ فرماتے۔ اور اس سے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی علمی استعداد پختہ ہوتی رہتی۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے بڑے پیارے لفظوں میں آپ کے استاد ہونے کا اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں:

"مولانا علاء الدّین اصولیؒ کہ استادِ من بود"[1]

(۳) خواجہ شمس الدّین خوارزمیؒ

دِلّی کے مشہور ترین عالم واستاد تھے۔ بلکہ دلّی کے اکثر استاد آپ کے شاگرد تھے معقول ومنقول، فرع واصول اور علم وادب میں خاص طور پر مانے ہوئے استاد تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ان کی خدمت میں علم حاصل کیا اور مقاماتِ حریریؒ[2] کے چالیس مقام بڑی تحقیق سے پڑھے اور انھیں زبانی یاد کر لیا۔

خواجہ شمس الدّین خوارزمیؒ کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ چنانچہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کرکے

---

[1]: فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۶۷-۶۸

[2]: مقاماتِ حریری قاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری البصری کی تصنیف ہے۔ عربی ادب میں بےمثل کتاب ہے۔ بعض عربی ادیبوں کی رائے ہے کہ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کے بعد اس سے اچھی اور کوئی کتاب نہیں ہے۔ علامہ حریری نے یہ کتاب سلطان محمد سلجوقی کے وزیر نوشیرواں بن خالد کی فرمائش سے تصنیف کی تھی۔ ایشیا اور یورپ کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ علامہ حریری کا ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء میں انتقال ہوا۔ مزار مصر میں ہے۔

Marfat.com

آتا یا کوئی دوست بہت دنوں کے بعد آتا تو آپ فرماتے، ایسا میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے، کیا پھر ایسا ہی کروں۔ لیکن اگر حضرت محبوبِ الٰہیؒ ناغہ کر کے جاتے تو آپ کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھتے ؎

آخر کم ازاں کہ گاہ گاہے
آئی و بہ ما کنی نگاہے

خواجہ شمس الدینؒ بہت ہی خوش عقیدہ اور مردم شناس بزرگ تھے اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی بہت ہی عزت کیا کرتے تھے۔ اور اس کے باوجود کہ آپ کی نشست گاہ پر کوئی قدم بھی نہیں رکھ سکتا تھا، لیکن حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو اپنے پاس اپنی نشست گاہ ہی میں بٹھاتے تھے حالانکہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اداباً معذرت بھی کیا کرتے تھے لیکن وہ باصرار اپنے ہی پاس بٹھاتے تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے۔ وہ جو میری عزت کرتے تھے۔ یہ ان کے خوش عقیدہ ہونے کی وجہ تھی۔

خواجہ شمس الدینؒ علمِ حساب میں بھی ماہر تھے۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین بلبن نے آپ کو مستوفی ہندوستان (آڈیٹر جنرل) مقرر کیا اور شمس الملک خطاب دیا تھا۔ خواجہ تاج الدین ریزہ کا یہ شعر آپ ہی کی شان میں ہے: ؎

شمسا کنوں بکامِ دلِ دوستاں شدی
مستوفیٔ ممالکِ ہندوستاں شدی

(۴) مولانا کمال الدینؒ زاہدؒ

آپ کا نام محمد بن احمد بن محمد ماریکلی ہے اور کمالِ زاہد اور کمال الدین زاہد کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ تقویٰ و طہارت اور علم و فضل میں مشہور و معروف شخصیت کے

لے: سیرالاولیاء صہ ۱۰۵ ج

مالک تھے۔ جب سلطان غیاث الدین بلبن کو آپ کی دیانت و امانت اور تقویٰ و طہارت اور علم و فضل کا حال معلوم ہوا تو سلطان نے آپ کو اپنا امام بنانا چاہا۔ اور اسی خیال سے آپ کو یاد کیا۔ جب آپ تشریف لائے تو سلطان نے کہا کہ مجھے آپ کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت پر پورا بھروسہ ہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمائیں تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ میری نمازیں بھی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں آپ نے فرمایا: ہمارے پاس نمازوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا ہے کیا بادشاہ اب یہ چاہتا ہے کہ ہمارے پاس یہ بھی نہ رہے۔ بادشاہ یہ جواب سن کر چپ کا چپ رہ گیا۔ اور سمجھ گیا کہ یہ مانیں گے نہیں۔ لہٰذا بہت کچھ معذرت کی اور رخصت کر دیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ سے حدیث کی مشہور و مستند کتاب مشارق الانوار پڑھی تھی اور نہایت تحقیق سے پڑھی تھی۔ چنانچہ اس سند میں اس کا ذکر ہے جو مولانا کمال الدین زاہدؒ نے مشارق الانوار کے اختتام پر تحریر فرما کر حضرت محبوب الٰہیؒ کو عنایت فرمائی تھی جس کے بعض جملوں کا ترجمہ تبرکاً نقل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ نظام الدین محمد بن احمد بن علی جو عالموں کے امام اور بزرگ ہیں۔ اور راہِ حق پر چلنے والے اور نہایت عابد و زاہد ہیں اور جو بہت زیادہ عالم و فاضل اور حلم و بردباری میں بلند مرتبہ کے مالک ہیں، اور مشائخ کبار اور علماء اخیار کے منظور و مقبول ہیں۔ انھوں نے کتاب مشارق الانوار جو بخاری و مسلم کا بہترین انتخاب ہے، مجھ سے پڑھی اور نہایت محنت و کوشش سے اور مضبوطی و استقلال سے اور ہر ہر لفظ کے معنیٰ و مطلب کو سلجھا کر اور سمجھ کر پڑھی اور نجم الدین[1] ابو بکر التواسی کی مسجد میں پڑھی، جو دلّی میں

---

[1] : اب تواس کا نام و نشان بھی نہیں۔ کون بتا سکتا ہے کہ یہ مسجد کہاں تھی افسوس کہ غفلت کے ہاتھوں

Marfat.com

ہے۔ میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے روایت کریں اور وصیت کرتا ہوں کہ وہ اپنی تنہائی کی دعاؤں میں مجھے اور میری اولاد کو نہ بھولیں۔

۲۲ ربیع الاوّل ۶۷۹ھ[1]

سلطان جیؒ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نوجوانی میں جب دلّی میں تعلیم پا رہے تھے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدّین متوکلؒ کے پڑوس میں رہتے تھے اور اکثر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ایک دن آپ نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آپ ایک بار سورۂ فاتحہ اس نیت سے پڑھ دیجئے کہ میں کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔

حضرت شیخ نجیب الدّین متوکلؒ خاصانِ خدا میں سے تھے اور یہ جانتے تھے کہ انھیں تو سلطان الاولیاء ہونا ہے قاضی ہونے کے لیے دعا کیوں کی جائے لہٰذا آپ خاموش رہے اور جواب نہیں دیا۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ یہ سمجھے کہ شاید آپ نے سنا نہیں اس لیے دوبارہ اور پھر سہ بارہ عرض کیا تو آپ مسکرائے اور فرمایا:

"قاضی مشو۔ چیزے دیگر شو"[2]

(قاضی نہ بنو کچھ اور ہی بنو۔)

خدا کی شان! آپ قاضی نہ ہوئے بلکہ محبوب الٰہی، سلطان الاولیاء اور سلطان المشائخ ہوئے۔ اسی لیے دلّی والے آج تک سلطان جی ہی کہتے ہیں۔

← (بقیہ صفحہ گذشتہ) بزرگوں کی کیسی کیسی عظیم یادگاریں ضائع ہو گئیں۔

[1] : یہ سند عربی زبان میں ہے اور سیر الاولیا صہ ۱۰۴، ۱۰۵ پر میں نقل ہے۔

[2] : فوائد الفواد جلد ا صہ ۲۸ سیر الاولیا صہ ۱۶۸ پر۔

غائبانہ محبّت

ازل ہی سے حق تعالیٰ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے پاک دل کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ازلی محبت کا مخزن بنایا تھا اور یہ ازلی محبت حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ہوش سنبھالتے ہی اپنا کرشمہ دکھانے لگی تھی۔ چنانچہ حضرت محبوبِ الٰہی فرماتے ہیں:

میری[1] عمر کوئی بارہ برس کی تھی۔ اور میں لغت کی کتاب پڑھتا تھا کہ میرے استاد کے پاس ایک شخص آیا۔ جس کا نام ابوبکر خراط[2] تھا۔ اسے ابوبکر قوال بھی کہتے تھے، ملتان[3] کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے پہلے تو شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدّین ذکریا ملتانیؒ[4] کی عبادت و ریاضت کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی کنیزیں تک چکی پیستے وقت ذکر کیا کرتی ہیں۔ پھر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا ذکر چھیڑا اور کچھ اس طرح بیان کیا کہ ہر ہر لفظ سے آپ کی عظمت و محبت میرے

---

[1] : سیر الاولیا صفحہ ۱۰۰ اور فوائد الفواد جلد ۴ صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹۔

[2] : خراد کرنے والا۔ لکڑی کو سڈول کرنے والا۔

[3] : ملتان عہد قدیم میں ہندوستان کا اہم سرحدی مقام اور مسلمانوں کا تعلیمی اور روحانی مرکز تھا اور اب پاکستان کا مشہور شہر اور ضلع ہے۔

[4] : آپ کے والد بزرگوار کا نام وجیہہ الدین اور دادا بزرگوار کا نام کمال الدین تھا جو مکہ معظمہ میں رہتے تھے۔ مکہ معظمہ سے خوارزم تشریف لے گئے اور وہاں سے ملتان چلے آئے۔ ملتان ہی میں شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے بڑے خلفاء میں اور ہندوستان و پاکستان کے مشہور ترین اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار ملتان (پاکستان) میں ہے۔

Marfat.com

دل میں گھر کرتی چلی گئی۔ یہانتک کہ مجھے کچھ ایسی محبت ہوگئی کہ ہر نماز کے بعد میں دس[1] بار شیخ فریدالدینؒ کہا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ محبت کا یہ جذبہ اتنا بڑھا کہ دوستوں کو بھی پتہ لگ گیا۔ لہٰذا جب وہ مجھے قسم دینا چاہتے تو کہتے کہ شیخ فرید (قدس اللہ سرہٗ) کی قسم کھاؤ۔

حضرت محبوب الٰہی یہ بھی فرماتے تھے:

جب بدایوں سے ہم دلّی کے لیے چلے تو ہمارے ہم سفر ایک بوڑھے عزیز تھے جن کا نام عوض تھا۔ راستے میں جہاں کہیں لٹیروں یا درندوں کا ڈر ہوتا تو وہ کہتے: اے پیر! حاضر ہوجیے۔ اے پیر! ہم آپ کی پناہ میں ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ تم پیر کسے کہتے ہو۔ انھوں نے کہا، حضرت شیخ فریدالدین (نوراللہ مرقدہٗ) کو[2] یہ سنا تو ذوق وشوق اور بھی بڑھ گیا[3]

جب یہ قافلہ بدایوں سے دلّی پہنچا تو اتفاق سے آپ اسی محلے میں اترے کہ جس

---

[1]: فوائد الفواد فارسی جلد ۴ صـ۱۹۴ میں یہ جملہ ہے کہ بعد از ہر نمازی دہ بار می گفتم کہ شیخ فریدالدین مگر فوائد الفواد کا جو ترجمہ بازار میں ملتا ہے۔ اس میں اس جملے کا یہ ترجمہ کیا ہے:

بعد ہر نماز کے جب تک دس بار یا شیخ فریدالدین اور مولانا فریدالدین نہ کہہ لیتا مجھے کل نہ پڑتی تھی۔ (ارشاد محبوب صـ۲۰۵)۔

[2]: سیرۃ المحبوب صـ۹ میں اس واقعہ کو مسخ کر کے اس طرح لکھا ہے کہ جب کہیں راستے میں شیر اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہوتا تو محبوب الٰہیؒ فرماتے: اے میرے پیر میری مدد کیجئے میں آپ کی پناہ میں دہلی جا رہا ہوں۔ عیوض (عوض) نے آپ سے پوچھا کہ آپ کس کو پیر سمجھ کر پکار رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بابا فریدالدین گنج شکر کو کیونکہ میرا دل پیر کی وجہ سے بے حد مضطرب ہے۔

[3]: فوائد الفواد جلد ۴ صـ۱۴۹

میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ رہتے تھے[۱] پڑوسی ہونے کی وجہ سے ملاقات بھی ہو گئی اور حضرت محبوب الٰہیؒ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر بھی ہوتے اور فیض بھی پاتے تھے۔

حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی صحبت سے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی محبت کا رنگ چوکھا اٹھا اور ایسہ پختہ ہوا کہ آخر دم تک قائم رہا بلکہ بڑھتا ہی گیا۔ چنانچہ حضرت محبوبِ الٰہی نے ۱۰ ارشوال ۷۱۶ھ کی مجلس میں فرمایا:

"تا امروز محبت ایشاں برقرار است بلکہ مزید[۲]"

(آج تک آپ کی محبت اسی طرح ہے بلکہ کچھ اضافہ ہی ہے۔)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی محبت کے استقلال کی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن مریدوں کی محبت کا ذکر فرما رہے تھے تو آپ کی طرف رُخ کیا اور اشارہ کر کے فرمایا: جب سے یہ مجھ سے بیعت ہوئے ہیں جس طرح مجھے چاہتے تھے اس طرح چاہتے ہیں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے[۳]

۱؎: سیر الاولیاء ص۱۱۰ ج۔

۲؎: فوائد الفواد جلد ۴ ص۱۷۳

۳؎: آں گاہ روئے سوی دعاگو کرد و اشارت سوئے من کرد و گفت ایں مرد تا بمن پیوستہ است ہمراں مزاجست و ہیچ نگشتہ است (فوائد الفواد جلد ۴ ص۱۷۳، سیر الاولیاء ص۱۲۴ ج۔ مگر ایک مترجم نے یہ ترجمہ کیا ہے اور خوب داد تحریف دی ہے:

ایک مرتبہ میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ یہ شخص ایک عرصے سے میری بیعت میں داخل ہے لیکن اپنے پہلے مزاج پر قائم ہے اور ذرہ کے برابر بھی اس کی عبودیت اور حسن اعتقاد میں فرق نہیں آیا ہے۔ (ارشاد محبوب ص۳۳۹)

Marfat.com

دراصل یہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہی کی محبت کا پھل ہے کہ آپ محبوبِ الٰہیؒ ہوتے اور سات سو سال سے زیادہ زمانہ ہو چکا کہ ایک عالم آپ کو محبوبِ الٰہیؒ مانتا ہے اور آپ کی محبت کا اسیر ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

مسعود آپ کا نام نامی ہے۔ فرید الدّین اور گنج شکر آپ کے لقب ہیں اور شیخ کبیر اور شیخ شیوخ العالم کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ اور عام طور پر بابا صاحب اور بابا فرید زبان زدِ خلائق ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شعیب تھا جو قاضی شعیب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کابل کے بادشاہ فرخ شاہ عادل کی اولاد سے تھے۔ جب چنگیز خاں[۴] نے حملہ کر کے کابل کو لوٹا اور قتل و خونریزی کا طوفان بپا کیا۔ تو قاضی شعیبؒ اپنے بال بچوں کو لے کر ہندوستان چلے آئے پہلے کچھ دن قصور[۱] میں ٹھیرے پھر موضع کھتوال علاقہ ملتان میں قاضی مقرر ہوئے اور کھتوال[۲] ہی میں رہنے لگے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کھتوال ہی میں پیدا[۳] ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر ملتان تشریف لے گئے جو اس زمانے میں اسلامی تعلیم و تربیت کا مرکز تھا جہاں لائق و فائق عالم اور اسلامی مدرسے بکثرت تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی ملتان میں تعلیم حاصل کی۔ اور تعلیمی ذوق کی وجہ سے آپ ابھی ملتان ہی میں تھے اور ایک مسجد میں قبلہ رُو

---

[۱] مغربی پنجاب پاکستان کا مشہور شہر ہے۔ میتھی یہاں کی مشہور ہے۔

[۲] اب اس مقام کا نام کوٹ وال مشہور ہے۔

[۳] حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا سن پیدائش ۵۷۷ھ / ۱۱۸۱ء ہونا چاہیئے۔

[۴] چنگیز خاں ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۶۴ھ / ۱۲۶۶ء میں مرا۔

Marfat.com

بیٹھے کتاب نافع[1] کے مطالعہ میں مشغول تھے کہ اچانک حضرت خواجہ قطب[2] الدین بختیار کاکیؒ اوش سے دلّی آتے ہوئے اس مسجد میں تشریف لے گئے جس میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ مطالعہ میں مشغول تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ آپ کو دیکھتے ہی بڑے ادب وتعظیم سے پیش آئے اور ادب سے بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے پہلے دو رکعت نماز تحیت المسجد پڑھی پھر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے مخاطب ہوتے اور پوچھا کہ یہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ میں کتاب نافع پڑھ رہا ہوں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا: کیا تم یہ جانتے ہو کہ تمہارا نفع اس نافع میں ہے آپ نے فرمایا: میرا فائدہ تو آپ کی کیمیا اثر نگاہ میں ہے۔ یہ کہا اور اٹھ کر قدم بوس ہوئے اور آپ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا۔ اور آپ ہی کے ساتھ دلّی چلے آئے اور آپ

---

[1]: عربی علم صرف میں ایک مختصر رسالہ بھی ہے اور بقول ابوالقاسم فرشتہ فقہ کی ایک کتاب بھی اس نام کی ہے۔ تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۳۸۳ شواہد نظامی ص ۱۴۳۔

[2]: خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے ہیں ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے اور مسجد امام ابولیث سمرقندی بغداد میں خواجہ معین الدین چشتی سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت پایا آپ نہایت عابد و زاہد اور شب بیدار تھے۔ رات کو حضرت نوافل میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر کئی کئی قرآن پاک ختم فرماتے تھے۔ آپ کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی تھیں۔ سماع سنا کرتے تھے۔ اس شعر کی کیفیت میں آپ کا وصال ہوا تھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اپنے پیر و مرشد کے حکم سے دلّی میں قیام فرمایا۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء میں وصال فرمایا۔ مزار پر انوار قصبہ مہرولی دلّی میں ہے اور زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

Marfat.com

کی خدمت میں رہ کر دینی اور روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ان ہی دنوں میں جب ایک دن بہت سے کامل درویش اور علماء موجود تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو بیعت کیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھیڑ بھاڑ سے بہت گھبراتے تھے۔ اس لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں تن تنہا یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اور اکثر روزے سے رہا کرتے تھے۔ اور کئی کئی دن کھانے پینے کے پاس بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ ایک دفعہ جب کھائے پیئے کئی دن ہو گئے تھے۔ اور کھیل کا دانہ بھی اڑ کر مونھ میں نہیں گیا تھا۔ اور بھوک کا بے حد غلبہ ہوا۔ تو آپ نے افطار کے وقت کچھ کنکریاں مونھ میں ڈال لیں۔ وہ شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ آپ نے انھیں تھوک دیا کہ مبادا یہ فریبِ نفس ہو۔ اور پھر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ جب آدھی رات ہوئی تو پھر بھوک کا غلبہ ہوا۔ اور آپ نے پھر کچھ کنکریاں مونھ میں ڈالیں وہ بھی شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ آپ نے انھیں بھی تھوک دیا۔ اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آخری رات کو جب ضعف بہت ہی بڑھ گیا تو آپ نے پھر کنکریاں مونھ میں ڈالیں وہ بھی شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ اب آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا یہ فرمان یاد آیا کہ جو کچھ غیب سے ملے اسی سے روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔ لہٰذا آپ نے انھیں کھا لیا اور صبح کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کا واقعہ بیان کیا حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو ان سے افطار کر لیا کیوں کہ جو غیب سے ملے وہ بہت ہی اچھا ہے۔ تم سدا شکر کی طرح شیریں ہی رہو گے۔ جب ہی سے شکر گنج اور گنج شکر آپ کا لقب ہو گیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بہت سیدھے سادے اور معمولی لباس میں رہتے تھے یہاں تک کہ آپ پہچانے بھی نہیں جاتے تھے کہ آپ کوئی عالم یا درویش ہیں۔ البتہ خدا رسیدہ بزرگ آپ کے چہرے کے جلال کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ آپ اللہ کے

Marfat.com

ولی ہیں۔

الغرض جب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کامل درویش ہو گئے۔ اور روحانیت کی منزلوں کو بخوبی طے فرما چکے تو ایک دن جب شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین سنجری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز بھی تشریف فرما تھے تو حضرت والاہی کے ایما سے بلکہ حضرت والاؒ نے اور حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکیؒ نے ایک ہی جگہ دونوں بزرگوں نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کو خلافت کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اور جانشین قرار دیا۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکیؒ نے وصال فرمایا تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہانسی میں تھے لہٰذا حضرت خواجہؒ نے حاضرین کو وصیت فرمائی کہ میرا مصلّٰی عصا اور چوبی نعلیں اور خرقہ خاص مولانا فرید الدّین مسعود گنج شکرؒ کو دے دیا جائے۔ الغرض جب آپ حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد چوتھے دن دلّی پہنچے تو یہ سب تبرکات آپ کو دے دیئے گئے۔ اور آپ کو حضرت خواجہ کا جانشین بنا کر حضرت خواجہؒ کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ آپ کوئی تین دن دلّی میں رہے اور پھر ہانسی تشریف لے جانے لگے تو حاضرین نے عرض کیا کہ شیخؒ نے تو آپ کو یہ مقام تفویض کیا ہے آپ دوسری جگہ کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو نعمت شیخؒ نے مجھے دی ہے وہ شہر و جنگل میں یکساں ہی ہے۔ اور پھر ہانسی تشریف لے گئے۔[۲]

---

[۱] : شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدّین حسن سنجری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز مشائخ ہند کے امام طریقت ہیں۔ آپ کی برکت سے ہندوستان میں اسلام کی جڑ جمی اور اسلام نے ترقی کی۔ آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز کے بزرگ ترین خلیفہ تھے اور شیخ محترم کے ہمراہ متعدد بار پاپیادہ حج کو گئے۔ ہند الولی اور خواجہ غریب نواز کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ۶ رجب ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء میں وصال ہوا۔ مزار پرانوار اجمیر شریف میں ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

[۲] : ← فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۱۸۸

Marfat.com

آپ بہت مدت تک ہانسی میں رہے پھر کھتوال تشریف لے گئے۔ وہاں بھی زیادہ دن نہیں رہے اور وہاں سے اجودہن تشریف لے گئے جو ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ لیکن آپ کے رہنے کی برکت سے مخلوق کی آمد و رفت اتنی بڑھی کہ آدھی رات تک آپ کے گھر کا دروازہ کھلا رہتا اور ضرورت مند آتے جاتے رہتے تھے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ علم و فضل میں بھی بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ دینیات، اصولِ حدیث اور تصوّف و روحانیت کی دقیق و مشکل کتابیں آپ اکثر پڑھایا کرتے تھے اور تصوّف کے رموز و نکات کو اس خوبی سے سلجھا کر بیان کرتے تھے کہ سننے والوں پر کیفیت سی طاری ہو جاتی تھی اور ان کی روحیں عالمِ ملکوت کی سیر کے لیے تڑپ اٹھتی تھیں۔

آخر عمر میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کو خلفہ[1] کی بیماری لاحق ہوئی اور اسی بیماری میں ۵[2] محرم کی رات کو ترانوے[3] برس کی عمر میں آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی،

---

[1]: خلفہ سنگرہنی کو کہتے ہیں یہ دستوں کی ایک بیماری ہے جس میں انتڑیاں کمزور ہو جاتی ہیں اور معدہ کی وہ قوت جو کھانے کو معدے میں ٹھیراتی ہے ضعیف ہو جاتی ہے اور انتڑیوں کے اندرونی حصے پر کہیں کہیں زخم اور دانے ہو جاتے ہیں (حاذق صـ۲۰۷) مگر ایک مترجم نے خلفہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مرض الموت آپ کا بیماری حلقوم تھی۔ (ارشاد محبوب صـ ۱۲۴) سبحان اللہ۔

[2]: مرا در ماہ شوال بہ دہلی فرستادہ بود نقل ایشاں در شب پنجم ماہ محرم بود (فوائد الفواد جلد ۲ صـ ۵۲۔ ابوالقاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ شب پنجشنبہ پنجم ماہ محرم سنہ سبعین وستہ ومائۃ (تاریخ فرشتہ جلد ۲ مقالہ یازدہم قلمی) امیر خوردؒ نے لکھا ہے کہ در ماہ شوال مرا بدہلی رواں کہ دنقل ایشاں بہ پنجم ماہ محرم بود (سیر الاولیاء صـ۸۹ پ ج) مگر اسی کتاب میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی وفات کے ذکر کے خاتمہ پر پوشیدہ نماند کے تحت یہ بھی لکھا ہے، وفات حضرت ایشاں در شش صد و شصت و چہار (۶۶۴ھ) بود (سیر الاولیا صـ۹ پ ج) لیکن قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے اور اسباب (بقیہ حاشیہ صـ پر)

اور واصل بحق ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے صدقے میں ہمارا بھی خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین۔

(بقیہ حاشیہ صـ) اس کے یہ ہیں:

(۱) امیر خوردؒ نے جس قدر سنین لکھے ہیں عربی میں لکھے ہیں اور یہاں فارسی میں ہے اور جو الحاق کی غمازی کرتا ہے۔

(۲) اگر امیر خوردؒ کو سن لکھنا ہوتا تو تاریخ وفات کے ضمن ہی میں لکھ دیتے الگ نہ لکھتے۔

(۳) امیر خورد نے ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء حضرت محبوب الٰہی کی خلافت کی تاریخ لکھی ہے اور یہ بیان حضرت محبوب الٰہیؒ کی زبانی نقل فرمایا ہے:

سہ کرت از دہلی بخدمت شیخ شیوخ العالم رفتم بعدہٗ یک روز خواجہ طلبیدہ سیزدہم ماہ رمضان سنہ تسع وستین وستہ مائتہ بود فرمود نظام یادداری آں کہ گفتم بودم گفتم آرے فرمود کہ کاغذ بیارید اجازت نامہ بنویسند کاغذ آوردند و اجازت نامہ بنشتند۔۔۔ الخ (سیر الاولیا صہ ۱۱۶ ج)

جب ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء میں حضرت بابا فرید گنج شکر بقید حیات تھے تو پھر ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء سال وفات کیسے ہو سکتا ہے۔ البتہ قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سال وفات آپ کا ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء ہے۔ اور بروئے تقویم اسی سن میں شب پنجشنبہ ۵ محرم کو ہے (تقویم ہجری وعیسوی ابو النصر محمد خالدی صـ ۳۴)

(۴) اس کے علاوہ اس میں حضرت اور حضرت ایشاں آتا ہے جو اپنے محل استعمال کے اعتبار سے امیر خوردؒ کی عادت کے خلاف ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ سیر الاولیاء کا وہ نسخہ جو ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء عہد محمد شاہ میں عبد اللہ جیوا اور حبیب اللہ نامی اشخاص نے مرتب کرایا تھا بہت ہی غیر معتبر اور الحاقات سے بھرپور ہے اور چرنجی لال ایڈیشن اسی کی ایک نقل سے تیار ہوا ہے اس لیے یہ بھی غیر معتبر ہے (بقیہ صفحہ ۴۴ پر)

Marfat.com

بیعت کیا ہے؟

بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے اور توبہ پر قائم رہنے اور خدا و رسول صلعم کے حکم کی تعمیل کرنے اور شریعت کے مطابق عمل کرنے کا ایک معاہدہ ہے۔ بیعت کسی ایسے شخص سے ہونا چاہیے جو شریعت و طریقت کا عالم اور باعمل ہو۔ بیعت کسی بزرگ کے مزار سے نہیں بلکہ کسی ایسے بزرگ سے کرنی چاہیئے جو بقیدِ حیات ہو[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) سیر الاولیاء کا ایک قدیم اور صحیح نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں ہے جو ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کا مخطوطہ ہے (پہلا کیٹ لاگ نمبر ۲۴۳ ہے اور بعد کی فہرست کا نمبر ڈی ۲۱۸ ہے۔

ؔ: مدتِ عمر شیخ پرسیدند۔ فرمود کہ نود و سال بود (فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۵۲) یعنی شیخ کی مدتِ عمر دریافت کی تو آپ (حضرت محبوبِ الٰہیؒ) نے فرمایا ترانوے [۹۳] سال تھی۔ مگر ایک مترجم نے ترجمہ یہ کیا ہے:

کسی نے آپ سے شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہٗ کی عمر کی بابت دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت کی عمر نوّے [۹۰] سال کی ہوئی۔ (ارشاد محبوب صہ ۱۲۶، ۱۲۷)

سیر الاولیا کی مذکورہ الحاقی عبارت میں یہ تحریفی عبارت بھی ہے:

از حضرت سلطان المشائخ پرسیدند کہ عمر شریف حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز چند سال بود۔ فرمودند کہ نود و پنج سال (سیر الاولیا صہ ۹۱ پ) سیرۃ المحبوب صہ ۹۶ ۵ محرم ۶۷۰ھ بروز منگل لکھا ہے۔ بروئے تقویم منگل کا دن غلط ہے۔

ؔ: سیر الاولیا صہ ۳۴۳ پ۔

[۱]: سیر الاولیا صہ ۳۲۶ پ۔

تجدیدِ بیعت

اگر بیعت میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو اپنے مرشد سے دوبارہ بیعت کر لینی چاہیئے اگر شیخ موجود نہ ہو یا بقیدِ حیات نہ ہو تو شیخ کے کپڑے ہی سے کر لینی چاہیئے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے خواجہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جامۂ مبارک سے بیعت تجدید کر لیا کرتا ہوں[1]۔ تجدید بیعت سے نسبت کو تقویت ہوتی ہے اور خامی رفع ہو جاتی ہے۔

بیعت کا طریقہ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الحق قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے آتا تو آپ پہلے اس سے سورۂ فاتحہ (الحمد) اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) ایک ایک بار پڑھواتے پھر سورۂ بقر کا آخری رکوع اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورہ تک پڑھواتے اس کے بعد شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ[2] سے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام تک پڑھواتے۔ اس کے بعد کہلواتے کہ میں نے اس ضعیف کے ہاتھ پر بیعت کی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ تعالےٰ سے عہد کیا کہ میں اپنے ہاتھ، پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروں گا اور شریعت کی پابندی کروں گا[3]۔

---

[1]: من بیش جامۂ خواجہ خود شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز تجدید بیعت می کنم۔
(سیر الاولیا ص۳۴۴ پ ج) فوائد الفواد جلد ۲ ص۵۸۔

[2]: سورہ آل عمران۔ رکوع ۲ پارہ ۳۔ [3]: سیر الاولیار ص۳۲۳ پ ج)

بیعت کی قسمیں

بیعت کی تین قسمیں ہیں[1]:

(۱) بیعت توبہ

(۲) بیعت تبرک

(۳) بیعت تحکیم

۱۔ بیعت توبہ، گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے ہے۔ یہ بیعت عام ہے۔ ہر مسلمان کے ہاتھ پر کی جا سکتی ہے اور ہر مسلمان یہ بیعت لے سکتا ہے۔

۲۔ بیعت تبرک، یہ بیعت صالحین اور اولیاء اللہ کے سلسلے میں داخل ہونے کے لیے کی جاتی ہے اور اس میں خرقۂ تبرک دیا جاتا ہے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے اکثر خرقۂ تبرک ہی عنایت فرمائے تھے۔

۳۔ بیعتِ تحکیم، یہ بیعت خاص ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ راہ سلوک کے مجاہدات میں شیخ کو اپنا حاکم قرار دے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی دریغ نہ کرے۔ یہی وہ بیعت ہے جس سے روحانیت کے مدارج طے ہوتے ہیں اور سالک واصل الی اللہ ہوتا ہے۔ اس بیعت میں خرقۂ ارادت دیا جاتا ہے اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے صرف چار بزرگوں کو خرقۂ ارادت عنایت فرمائے تھے[2]۔

---

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صہ ۴

[2] چندیں خرقہ کہ ایں ضعیف دادہ است ازیں میاں چہار کس را خرقۂ ارادت دادہ است دیگر ہمہ را خرقۂ تبرک۔

(سیر الاولیاء صہ ۲۴۳ پ ج)

Marfat.com

بیعت ہونا

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی محبت تو بچپن ہی میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاک دل میں گھر کر چکی تھی اور ابھی آپ کی عمر کوئی بیس[۱] برس کی تھی اور آپ دلّی میں تعلیم پا رہے تھے کہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کا جذبہ اُبھرا اور شوقِ ملاقات دامنگیر ہوا۔ لہٰذا آپ دلّی سے اجودھن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ جب آپ اجودھن پہنچے تو بدھ[۲] کا دن تھا اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

اسی دن حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کو بیعت[۳] فرمایا۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ

۱؎ : پرسید ندکہ شما چند سالہ بودید کہ بدولتِ ارادتِ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدّین طیب اللہ مرقدہٗ مشرف شدید۔ فرمودہ کہ بیست[۲۰] سالہ (سیر الاولیا صفحہ ۱۰۷ ج)

۲؎ : روزِ چہار شنبہ بود کہ سعادتِ پا ے بوس شیخ شیوخ العالم شیخ کبیرؒ حاصل کردم (سیر الاولیا ۱۰۶ ج)

۳؎ : حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے بیان سے تو صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے بیعت ہوتے تو بدھ کا دن تھا اور آپ بیس سال کے تھے۔ لیکن غالباً سب سے پہلے ۱۱۱۱ھ میں قاضی محمد بلاق مرحوم نے راحت القلوب کے حوالے سے بیعت ہونے کی تاریخ مہینہ اور سن لکھا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ایک ہی عنوان کے تحت دو تاریخیں لکھی ہیں : (۱) ۱۵ رجب ۶۵۵ھ بدھ اور (۲) ۱۱ رجب ۶۵۵ھ (مطلوب الطالبین صہ ۲۲-۲۳ مخطوطہ ۱۱۴۸ھ۔ اور قاضی محمد بلاق مرحوم نے نہ تو ان تاریخوں کے اختلاف کا کوئی سبب بتایا ہے اور نہ اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش ہی کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں جو سوانح حیات لکھی گئیں (بقیہ صفحہ نمبر ۴۹ پر)

Marfat.com

یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے یہ چاہا کہ میں اپنے اشتیاق کو عرض کروں لیکن کچھ ایسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) ان کے لکھنے والوں نے عموماً بدھ، ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو بیعت کی تاریخ تسلیم کر لیا ہے۔ البتہ شمس العلما خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ۱۵ رجب ۶۵۶ھ بدھ کا دن لکھا ہے (نظامی نبسری ص ۳۳۶) اور کسی نے بھی تحقیق کی تکلیف گوارا نہیں کی۔

بلاشبہ موجودہ زمانے میں راحت القلوب کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی تالیف سمجھا جاتا ہے اور اس میں جو ملفوظ ہیں انھیں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا فرید گنجشکرؒ کے ملفوظات قلم بند فرمائے تھے چنانچہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے:

کلماتی کہ از شیخ استماع داشتم بنشتم تا ایں غایت آں مجموعہ بر من ہست۔

(جو کچھ میں شیخ سے سنتا اُسے لکھ لیا کرتا (اور) اب تک وہ مجموعہ میرے پاس ہے۔) (فوائد الفواد جلد ا ص ۳۱)

لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی کہ راحت القلوب ان ہی ملفوظ کا صحیح مجموعہ ہے جو حضرت محبوب الٰہی نے قلم بند فرمائے تھے کیونکہ جب تحقیق و تنقید کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو راحت القلوب کا وہ نسخہ جو عام طور سے دستیاب ہوتا ہے اور جس کے حوالے سے قاضی محمد بلاق مرحوم نے دو مختلف تاریخیں لکھی ہیں۔ کئی اعتبار سے ناقص و نا تمام بلکہ خود ساختہ اور جعلی ثابت ہوتا ہے اور کیفیت اس کی یہ ہے:

۱۔ حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ ہمدراں ایام مردی مرا کاغذہا سپید داد یک جا جلد کردہ من آں را بستدم۔ فوائد شیخ ہم در آں جا ثبت کردم۔ بالا بنشتم کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط (فوائد الفواد جلد ا ص ۳۱)

(بقیہ ص ۵۰ پر)

Marfat.com

ہیبت طاری ہوئی کہ بس اتنا ہی عرض کر سکا کہ پائے بوسی کا شوق بہت زیادہ تھا حضرت

---

(۱) (ترجمہ) حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں کہ میں ملفوظ مرتب کر رہا تھا) ایک شخص نے مجھے سفید کاغذ دیئے جو جلد بستہ تھے میں نے وہ لے لیے اور شیخ کے فوائد (ملفوظ) اس میں لکھ لیے اوپر یہ لکھا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؕ

مگر راحت القلوب کے مروجہ نسخے کی ابتدا میں یہ عبارت نہیں ہے اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ دراصل یہ مجموعہ وہ نہیں ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ نے مرتب فرمایا تھا۔

۲ - قاضی محمد بلاق مرحوم نے بھی ۱۵ر اور ۱۱ر دو تاریخیں نقل کی ہیں جو خود اس کی دلیل ہے کہ یہ اصل سے منقول نہیں ہیں کیونکہ تاریخ تو ایک ہی ہوتی دو کیوں ہوتیں۔ دو تاریخیں لکھنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے ؟

۳ - بدھ ۱۵ر رجب ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء جس کی عموماً پیروی کی گئی ہے۔ بروئے تقویم اس تاریخ کو بدھ نہیں اتوار ہے البتہ ۱۱ر کو بدھ ہے۔

۴ - راحت القلوب میں ۲۴ مجلسیں ہیں۔ جن میں سے صرف پانچ میں تاریخ کے ساتھ دن بھی ہیں، لیکن بروئے تقویم ایک کے سوا سب غلط ہیں۔ (تقویم ہجری و عیسوی ابو النصر محمد خالدی)

۵ - ۲۹ر شعبان ۶۵۵ھ (پانچویں مجلس) کے بعد ۱۱ر، ۱۳ر اور ۲۵ر کی تین مجلسیں ہیں جن کے ساتھ صرف ماہ مذکورہ لکھا ہے۔ اگر یہ تاریخیں شعبان ہی کی ہیں تو ۲۹ر کے بعد کیوں ہیں۔ یہ بھی اس کتاب کے غیر اصلی ہونے کی دلیل ہے۔

۶ - ۲۵ر شوال ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء (دسویں مجلس کے بعد ۱۵ر، ۲۰ر، اور ۲۱ کی تین مجلسیں ہیں جن کے ساتھ بھی صرف ماہ مذکور ہے اگر یہ تاریخیں ماہ شوال کی ہیں تو ۲۵ر کے بعد کیوں ہیں۔ بھلا کہیں ایسا مجموعہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا مرتب کیا ہوا ہو سکتا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۵۱ پر)

Marfat.com

بابا فرید گنج شکرؒ نے جب یہ دیکھا کہ مجھ پر ہیبت سی طاری ہے تو آپ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۰)

۷ - ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ/۱۲۵۷ء کی مجلس چودھویں اور آخری مجلس ہے۔ اس میں حضرت محبوب الٰہیؒ کو خلافت عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ امیر خوردؒ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی زبانی یہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کو ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء کو خلافت ملی ہے:

شیخ شیوخ العالم فرمود کہ نظام الدّین ای دعا یاد داری.... گفتم خیر شیخ شیوخ العالم فرمود ایں دعا را یاد گیر د مواظبت نمائی تا ترا خلیفہ خود گردانم و بموجب فرمودہ دعاگو در شہر آمد سہ کرّت از دہلی بخدمت شیخ شیوخ العالم رفتم بعدہٗ یک روز خواجہ طلبید سیز دہم ماہ رمضان سنہ تسع وستین وستّ مائتہ بود۔ فرمود کہ نظام یاد داری آں کہ گفتہ بودم۔ گفتم آرے فرمود کاغذ بیارید۔ اجازت نامہ بنویسند کاغذ آوردند۔ اجازت نامہ نبشتند.. الخ۔

(سیر الاولیا ص۱۱۶ ج)

شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ نظام الدّین تمھیں یہ دعا یاد ہے.... میں نے عرض کیا کہ نہیں شیخ شیوخ العالم نے فرمایا: اس دعا کو یاد کر لو اور ہمیشہ پڑھا کرو تا کہ میں تمھیں اپنا خلیفہ بنا دوں ارشاد کے مطابق دعاگو شہر میں آگیا اور تین بار دلّی سے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا۔ اس کے بعد ایک دفعہ خواجہ نے طلب کیا۔ ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ تھی۔ فرمایا کہ نظام یاد ہے جو میں نے کہا تھا۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں آپ نے فرمایا: کاغذ لاؤ۔ اجازت نامہ لکھیں۔ کاغذ لائے اور اجازت نامہ لکھا۔

یہ واقعہ بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ راحت القلوب ملفوظات کا دراصل وہ مجموعہ نہیں ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ نے مرتب فرمایا تھا۔

۸ - پھر آخری مجلس میں خلافت کا ذکر بھی تشنہ اور ناتمام ہے۔ اس بیان کا (بقیہ صفحہ نمبر ۵۲ پر)

Marfat.com

بلکل داخل دهشتہ یعنی ہر (سنتے) آنے والے کے لیے دہشت ہوتی ہے۔ اس کے

(بقیہ صفحہ ۵۱) آخری جملہ یہ ہے کہ فرمود شیخ جمال الدین را نہ بینی۔ یہ جملہ بذات خود بے ربط اور بے محل بلکہ بے معنی ہے۔

۹ - حضرت محبوب الٰہیؒ کی حیات ہی میں کسی نے جعلی کتاب بنا کر حضرت سے منسوب کر دی تھی۔ چنانچہ ۱۵ ر محرم ۷۱۰ھ کی مجلس میں اس کا ذکر آیا تھا۔ حضرت علا سجزیؒ لکھتے ہیں:

عزیزے حاضر بود عرض داشت کرد کہ مرا در اودھ مردے کتابے نمود و گفت کہ ایں بنشتہ مخدمت مخدوم است خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر گفت کہ تفاوت گفتہ است من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام۔ (فوائد الفواد جلد ۲ ص ۴۵)	ایک عزیز حاضر تھے انھوں نے عرض کیا کہ اودھ میں مجھے ایک شخص نے ایک کتاب دکھائی اور کہا کہ یہ حضرت مخدوم (آپ) کی لکھی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فرق سے بات کہی ہے میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔

چنانچہ جو ملفوظات آپ نے مرتب کئے تھے ان کے متعلق ۱۸ ر شوال ۷۰۸ھ کی مجلس میں آپ نے فرمایا:

تا ایں غایت آں مجموعہ برمن ہست۔ (فوائد الفواد جلد ۱ ص ۱۳)	ابھی تک (ملفوظات کا) وہ مجموعہ میرے پاس ہے۔

ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دلیؒ نے فرمایا:

این سخن ہا برمن رسیدہ است حاشا کہ ایشاں باشد۔ درآں جا بسیار کلمات مجاوران و معتقدان با وقوف نوشتہ اند	یہ باتیں مجھے پہنچی ہیں۔ ہرگز ان کی نہیں ہیں بلکہ ان میں مجاوروں اور معتقدان نے جان بوجھ کر بہت سی باتیں لکھ دی

(بقیہ صفحہ ۵۳ پر)

Marfat.com

بعد آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ اس غریب متعلم کے لیے جماعت خانہ میں پلنگ بچھا دو۔ پلنگ بچھا دیا گیا۔ مگر میں نے یہ کہا کہ جب بہت سے اللہ کے نیک بندے زمین پر سوتے ہیں۔ جن میں حافظ قرآن اور عابد و زاہد بھی ہیں لہٰذا میں بھی زمین ہی پر سوؤں گا۔ جب خدام نے یہ بات مولانا بدرالدین اسحاق رحؒ سے کہی۔ تو انھوں نے کہلا کر بھیجا کہ تم من مانی کروگے یا شیخ کے حکم کو مانوگے۔ میں نے کہا کہ شیخ کے حکم کو مانوں گا۔ اور پھر میں پلنگ ہی پر سو گیا۔

حَلق

حَلق سر کے بال مونڈنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور جس کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں اسے محلوق کہتے ہیں اور جب سر کے بال زیادہ لمبے اور بڑے ہوتے ہیں تو کبھی کبھی بے احتیاطی سے نہاتے وقت بالوں کی جڑیں سوکھی رہ جاتی ہیں اور پتہ نہیں چلتا مگر گندگی رہ جاتی ہے اور غسل پورا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اہل طریقت کا یہ بھی دستور ہے کہ بیعت کے لیے سر کے بال منڈواتے اور غسل کراتے ہیں۔ تاکہ ہر طرح کی پاکی حاصل ہو جائے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ میں بال رکھتا تھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) کہ ہرگز موافق احوال ایشاں نیست۔ (سیر العارفین ص۹۵) ہیں جو ہرگز ان کے حالات کے مطابق نہیں ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یا تو راحت القلوب جعلی کتاب ہے۔ ورنہ کسی کو بعض اوراق فرسودہ و پراگندہ اور ناقابل خواندگی ہاتھ لگ گئے ہیں اور اس نے بے احتیاطی سے مرتب کر لیا ہے لہٰذا اس میں درج شدہ سنین اور ماہ و تاریخ اور دن ناقابل اعتماد ہیں۔ پھر اگر ماہ رجب ہی کو تسلیم کر لیا جاتے تو پھر ۱۰ رجب ۶۶۵ھ بدھ کا دن بیعت کے لیے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

مجھے بیعت فرمالیا مگر بال منڈوانے کے لیے حکم نہیں دیا اور میرا بھی ارادہ نہیں تھا کیونکہ سر منڈوا کر طلبہ کے ساتھ بیٹھنے میں مجھے شرم آتی تھی۔ لیکن دوسرے دن جب ایک شخص کے بال مونڈے گئے تو میں نے اس میں نور جگمگاتے دیکھا پھر دوسرے اور تیسرے کو بھی دیکھا یہی کیفیت ان میں بھی نظر آئی۔ لہٰذا میں نے بھی ارادہ کر لیا اور مولانا بدرالدین اسحاق رحؒ سے ذکر کیا۔ انھوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ حلق کرا لو۔ لہٰذا میں نے بھی بال منڈوا لیے اور محلوق ہو گیا۔

بیعت کے بعد

بیعت ہونے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کا کیا حکم ہے تعلیم کو جاری رکھوں یا ترک کر کے ورد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتا۔ درویش کے لیے علم بھی ضروری ہے۔ لہٰذا یہ بھی کرو اور وہ بھی۔ یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک غالب آجائے۔[1]

حضرت بابا فریدؒ سے اکتساب علم

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے شیخ کبیرؒ سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں قرآن پاک پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: پڑھا کرو۔ لہٰذا جمعہ کی نماز کے بعد عصر کے وقت تک کہ وہ فرصت کا وقت ہوتا تھا۔ تھوڑا سا پڑھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے چھ سیپارے آپ سے پڑھے۔ پہلے ہی دن جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو آپ نے

---

[1] سیرالاولیا، ص ۱۰۷

Marfat.com

فرمایا: الحمد پڑھو۔ میں نے الحمد پڑھی۔ جب میں و لا الضالین پر پہنچا تو آپ نے خود پڑھ کر بتایا کہ ضاد کو اس طرح پڑھو۔ میں نے بہت چاہا کہ اسی طرح ادا کروں لیکن قاصر رہا اور اس طرح ادا نہ کر سکا۔ پھر فرمایا: سبحان اللہ! شیخ کبیرؒ کی فصاحت و بلاغت۔ اس خوبی سے ادا فرماتے تھے کہ اور کوئی ادا کر ہی نہیں سکتا۔[۱]

حضرت محبوبِ الٰہیؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے عوارف[۲] کے پانچ باب بھی شیخ کبیر فرید الدین قدس سرہٗ العزیز سے پڑھے ہیں۔ آپ تصوف کے رموز و نکات کا بیان اس خوبی سے فرماتے تھے کہ ایسا بیان آج تک سننے ہی میں نہیں آیا۔ ذوقِ بیان سے سننے والے عالمِ کیف و سرور میں کھو سے جاتے تھے۔ اور ان کی روحیں عالمِ قدس کی سیر کے لیے تڑپ اٹھتی تھیں۔[۳]

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ابو شکور سالمیؒ کی تمہید المہتدی بھی حضرت بابا فرید گنجشکرؒ سے پڑھی تھی۔ اور اس کا ذکر آپ کے خلافت نامہ[۴] میں ہے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ یہ بھی

---

[۱]: فواد الفواد جلد ۴ ص ۱۶۳

[۲]: عوارف کا پورا نام عوارف المعارف ہے اور یہ کتاب شیخ شہاب الدّین عمر سہروردیؒ کی تصنیف ہے۔ اور تصوف کے رموز و نکات کے بیان میں بے مثل سمجھی جاتی ہے۔ شیخ کے والد بزرگوار کا نام شیخ محمد تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک نہاد سے تھے۔ شیخ شہاب الدّین عمرؒ حضرت شیخ ضیا الدّین ابو النجیب سہروردیؒ کے تربیت یافتہ خلیفہ اور جانشین تھے۔ اور حضرت محبوب سبحانی پیرانِ پیر دستگیر قدس اللہ سرہٗ العزیز کی صحبت سے فیض یاب تھے۔ اور آپ قطب الاقطاب اور شیخ الشیوخ بغداد تھے۔ آپ ۵۴۲ھ / ۱۱۴۷ء میں پیدا ہوتے اور ۶۳۶ھ / ۱۲۳۴ء میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار بغداد میں ہے اور زیارت گاہِ خلائق ہے (خزینۃ الاصفیا جلد ۲ ص ۱۷)

[۳]: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۷۵ [۴]: سیر الاولیا ص ۱۱۷ اچ (بقیہ ص ۵۶ پر)

فرماتے تھے کہ میں نے شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے تین کتابیں[1] پڑھی ہیں۔ دو[2] کی قرأت کی ہے اور ایک سنی[3] ہے۔

دُعا

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ میں جب شروع میں تعلیم حاصل کرنے میں بہت مشغول تھا اور پڑھنے ہی میں لگا رہتا تھا۔ تو ایک دن شیخ شیوخ العالمؒ نے مجھ سے پوچھا کہ نظام الدین! یہ دعا تمھیں یاد ہے؟:

یَا دَائِمَ الْفَضْلِ عَلَی الْبَرِیَّةِ ط یَا بَاسِطَ الْیَدَیْنِ بِالْعَطِیَّةِ ط وَ یَا صَاحِبَ الْمَوَاهِبِ السَّنِیَّةِ ط یَا دَافِعَ الْبَلَاءِ وَ الْبَلِیَّةِ ط صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهِ الْبَرَرَةِ

---

[1] : حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ شمس (دبیر) لوائح قاضی حمید الدینؒ بخدمت شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز خوانده بود (فوائد الفواد جلد ۴ صـ ۱۲۸) لیکن ایک مترجم نے ترجمہ یہ کیا ہے:

شمس دبیر نے لوائح حمید الدین ناگوری میرے ساتھ شیخ کبیر سے پڑھی تھی) (ارشاد محبوب صـ ۲۶۹)

اس میں میرے ساتھ الحاق محض ہے اور گمراہ کن ہے حضرت محبوب الٰہیؒ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا ہے۔ جب بزرگوں کے کلام میں اضافہ کرنے میں اتنے جری ہیں تو کب یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی کا صحیح شجرۂ نسب نقل کریں گے۔ سیرۃ المحبوب[12] میں ہے کہ تین کتابیں علم تجوید کی پڑھی تھیں۔ مگر یہ بیان بھی بے سروپا ہے۔

[2] : سیر الاولیا صـ ۱۰۶ ح میں اس طرح ہے: درکے قاری بودم ودرسماع واشتم۔ یہ بھی ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء کی الحاقی سیر الاولیا کا کرشمہ ہے۔

[3] : فوائد الفواد جلد ۴ صـ ۱۶۳

Marfat.com

النَّقِيَّةِ وَاغْفِرْ لَنَا بِالْعِشَاءِ وَالْعَشِيَّةِ ط رَبَّنَا تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ط وَ اَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ ط وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ط وَ عَلٰى مَلٰئِكَتِهِ الْمُقَرَّبِيْنَ ط وَ سَلِّمْ ط تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ط بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط

اے ہمیشہ مخلوق پر فضل کرنے والے! اے پھیلے ہوتے ہاتھوں کو بھرپور کرنے والے۔ اور اے بزرگ عطیات کے مالک! اے بلا اور مصیبت کو ٹالنے والے! محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی نیک اولاد پر رحمت نازل فرما اور ہمیں صبح و شام بخشش اور مغفرت عطا فرما۔ اے ہمارے رب! ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت عنایت فرما اور ہمیں نیکیوں میں شامل فرما۔ اور تمام انبیاء و مرسلین پر اور مقرب فرشتوں پر رحمت نازل فرما۔ اور اے ارحم الراحمین! اپنی مہربانی سے ان سب کو بکثرت سلامتی عنایت فرما۔

میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو اس دعا کو یاد کر لو اور ہمیشہ پڑھا کرو۔ تاکہ میں تمہیں اپنا خلیفہ و جانشین بنا دوں[1]

روزہ

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ہمراہ کشتی میں بیٹھا ہوا تھا اور بھی سب دوست تھے۔ برسات کا موسم تھا۔ دوست ہر دم اٹھتے تھے اور سایہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ

---

[1] سیرت نظامی، صہ ۵۵ میں یہ روایت راحت القلوب سے منسوب کر دی ہے۔

قیلولے[۱] کا وقت ہو گیا اور سب دوست سو گئے۔ یہ دعا گو بیٹھا پنکھا جھل رہا تھا شیخ شیوخ العالمؒ بیدار ہوئے اور فرمایا: دوست کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا: کہ قیلولے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا، تو آؤ تم سے کچھ کہوں۔ پھر فرمایا:

"جب تم دلّی جاؤ تو مجاہدے میں مشغول رہنا۔ بے کار رہنا بے سود ہے۔ روزہ رکھنا آدھا راستہ ہے اور دوسرے اعمال مثلاً نماز و حج آدھا راستہ ہے"۔

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کلام کی کیفیت میں ایسا محو ہوا کہ یہ دریافت کرنے کا بھی ہوش نہیں رہا کہ میں کون سا راستہ اختیار کروں۔ بعد میں دوستوں سے مشورہ کیا اور ان کے مشورے سے ہمیشہ روزے رکھنے لگا[۲]۔ تو چوں کہ شیخ کبیرؒ سے دریافت نہیں کیا تھا۔ لہٰذا کبھی کبھی خلل بھی واقع ہو جاتا ہے[۳]۔

نانی و جانی

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ ایک دن میں اور شیخ شیوخ العالمؒ کے چھوٹے صاحبزادے جن کا نام نظام الدین ہی تھا۔ شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا، تم دونوں ہی میرے فرزند ہو۔ پھر ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، تم تو

---

[۱]: دوپہر کو سونا، جو رات کو جاگتے اور یادِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ وہ گھڑی بھر دوپہر کو آرام کر لیا کرتے ہیں تاکہ تازہ دم ہو جائیں۔

[۲]: حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے اکثر خلفاء دائم الصوم کے پابند تھے بلکہ بعض مبتدی بھی اس کے عامل تھے

[۳]: سیر الاولیا صہ ۱۱۲ ج

نانی ہو یعنی روٹی کے یار ہو۔ اور میری طرف اشارہ کر کے فرمایا، تم جانی ہو[1] یعنے تم سے دِلی تعلق ہے۔ گویا کہ اولادِ صُلبی روٹی ٹکڑے کی یار ہوتی ہے اور معنوی اولاد سے دلی تعلق ہوتا ہے اور وہ ایسی خدمت انجام دیتی ہے کہ جس سے جی خوش ہوتا ہے۔ روح کو مسرّت ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی نصیب ہوتی ہے اور وہی حقیقی جانشین ہوتی ہے۔

خلعت و ملبوسِ خاص

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ شیخ کبیرؒ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا آپ خوش ہوئے اور دوسرے دن پھر مجھے بلایا اور بہت ہی شفقت فرمائی اور بڑی ہی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ پیر مرید کے لیے مشاطہ کی مثل ہوتا ہے یعنی وہ مرید کو اعمالِ صالح کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اس کے بعد آپ نے مجھے خلعت اور ملبوس خاص سے سرفراز فرمایا۔ الحمد للہ رب العلمین[2]

تعویذ

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ ایک دن مولانا بدرالدین اسحاقؒ موجود نہیں تھے جو شیخ کبیرؒ کی طرف سے تعویذ لکھا کرتے تھے۔ مخلوق تعویذ لینے کے لیے آئی ہوئی تھی۔ آپ نے مجھے اشارہ فرمایا کہ تم لکھو۔ میں لکھنے لگا۔ خلقت کا ہجوم ہو گیا۔ مجھے لکھنا بھی بہت پڑا اور ہجوم کی وجہ سے کام میں رکاوٹ بھی ہوئی اسی اثنا میں شیخ شیوح العالمؒ نے میری طرف

---

[1] : سیر الاولیا صہ ۱۲۴ پ ح۔

[2] : فوائد الفواد جلد ا صہ ۲۷۔

Marfat.com

رُخ کیا اور فرمایا کہ تھک گئے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کو سب روشن ہے۔ یہ سنتے ہی فرمایا: میں نے تمھیں تعویذ لکھنے کی اجازت دی۔ تم مخلوق کو تعویذ لکھ کر دیا کرو[1]

عصا

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا کہ جب شیخ کبیرؒ بیمار تھے تو مجھے دوستوں کے ساتھ شہیدوں کے مزارات کی زیارت کے لیے بھیجا۔ جب ہم سب زیارت کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تمھاری دعا نے ذرا بھی اثر نہیں کیا۔ مجھ سے جواب بن نہیں پڑا۔ علی بہاریؒ ایک دوست تھے اور وہ بہت دور کھڑے تھے انھوں نے عرض کیا کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی مبارک ذات کامل ہے۔ ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے مؤثر ہو سکتی ہے۔ یہ بات آپ کے گوشِ مبارک میں نہیں پہنچی لہٰذا میں نے اسے دہرایا تو آپ نے سنا اور فرمایا: میں نے تمھارے لیے خدا سے چاہا ہے کہ تم جو کچھ خدا سے طلب کرو گے۔ وہ تمھیں ملے گا۔ اس کے بعد اسی دن آپ نے مجھے عصا عنایت فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم اور مولانا بدر الدین اسحاقؒ فلاں خطیرے[2] میں جاؤ اور یادِ الٰہی میں مشغول رہو۔ ہم دونوں وہاں گئے اور رات بھر مشغول رہے۔ جب صبح کو حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا: خوب تھا[3]

مخالفین

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ جب میں شیخ شیوخ العالمؒ شیخ کبیرؒ کے نیاز مندوں

---

[1]: سیر الاولیا ص۳۴۸ پ و فوائد الفواد جلد ۴ ص ۲۰۔

[2]: احاطہ قبرستان

[3]: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۵۹۔ سیر الاولیا ص ۱۲۳ پ۔

میں داخل ہو گیا۔ تو آپ نے بار بار مجھ سے فرمایا کہ دشمنوں کو راضی رکھنا چاہیئے۔ اور اس باب میں بہت اصرار فرمایا یہاں تک کہ مَیں نے تہیہ کر لیا کہ دلّی جا کر مخالفین کو منا لوں گا۔[1]

دِل کا زنگ

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے شیخ شیوخ العالمؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوہے کی طرح دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے اور دل کا زنگ موت کی یاد سے اور قرآن پاک کی تلاوت سے چھوٹ جاتا ہے۔[2]

عمل حل مشکلات

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جب کسی کو کوئی سخت مشکل درپیش ہو تو اسے چاہیئے کہ چاند کی پندرھویں رات کو قبلہ رُخ بیٹھ کر انیس ہزار (۱۹۰۰۰) مرتبہ و اللہ المستعان پڑھے اور ہر دفعہ جب ہزار پورے ہو جائیں تو سجدہ کرے اور تین بار آمین کہے پھر اٹھ بیٹھے اور پڑھنے لگے۔ جب انیس ہزار (۱۹۰۰۰) بار پڑھ چکے تو سجدے اور آمین کے بعد خدائے پاک سے اپنی مراد مانگے۔ بلاشک و شبہ اللہ پاک اس کی مشکل کو آسان فرمائے گا اور مراد کو برلائے گا۔[3]

---

[1]: سیر الاولیاء۔ ص ۴۳۳۔

[2]: سیر الاولیاء ص ۴۲۳ چ۔

[3]: سیر الاولیاء ص ۴۲۲ چ۔

نمازِ اشراق

حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھے اشراق کی نماز کی چھ رکعتیں اس طرح پڑھنی بتائی ہیں ہے

(۱) پہلے دو رکعات شکراً للہ یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس طرح پڑھنی چاہئیں کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ (الحمد) کے بعد اللہ لا الٰہ سے خٰلدون تک اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اٰمن الرّسُولُ سے آخر سورۃ تک اور اللّٰہُ نُورُ السمٰوٰت والارض سے واللہ بکل شیءٍ علیم تک پڑھے ۲ے

(۲) پھر دو رکعت نماز استعاذہ (پناہ مانگنا) اس طرح پڑھنی چاہئیں کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل اعوذ بربّ الفلق اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل اعوذ بربّ الناس پڑھے ۳ے

(۳) پھر دو رکعات نماز استخارہ (طلب خیر) اس طرح پڑھنی چاہئیں کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل یاایہا الکفرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ احد پڑھے ۴ے اور یہ جو دعائیں - ان

۱ے: سیر الاولیاء ص ۳۷۷، ۳۷۸ پر -

۲ے: دعا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ - اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ -

۳ے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ الْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاتِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ ط اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ -

(بقیہ ص ۶۳ پر)

دوگانوں کے ساتھ پڑھنی چاہئیں وہ پڑھے[1]

نماز تہجد

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے مجھے تہجد کی نماز کی بارہ رکعتیں بتائی ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دو دو رکعات کر کے پڑھنی چاہئیں۔ اور ہر پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیۃ کرسی اور تین بار سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ احد) اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک بار اٰمن الرّسُوْلُ آخر سورہ تک اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھنی چاہیئے[2]

شب برات

ایک دفعہ شب برات کو شیخ شیوخ العالمؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے مجھ سے فرمایا کہ

(بقیہ صفحہ ۶۲) ۵ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ۔

[1] سیر الاولیا صفحہ ۳۷۸ پ ہر نماز کی دعائیں ہر نماز کے حاشیہ میں لکھ دی ہیں۔

[2] سیر الاولیا صفحہ ۳۸۴ پ۔ نماز تہجد کا افضل وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے۔

Marfat.com

آج رات تم ہیں نماز پڑھنا۔ میں حکم کے مطابق حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا: تم ہی امامت کرو۔ لہٰذا میں نے حکم کی تعمیل کی[1] اور امامت کی۔

سورۂ فاتحہ

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ کبیرؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تم سب دوستوں کے ساتھ مل کر ایک لاکھ بار سورۂ فاتحہ (الحمد) پڑھو۔ میں نے یہ ذکر دوستوں سے کیا۔ کسی نے پانچ ہزار کسی نے چار ہزار اور کسی نے کم و بیش پڑھنا اپنے ذمہ لے لیا۔ میں نے دس ہزار بار پڑھا۔ اور اس طرح ایک ہفتہ یا کم و بیش میں یہ کام ہو گیا معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ سے کیا درخواست تھی[2]

استقامت

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ شیخ شیوخ العالمؒ اپنے حجرے میں چو طرفہ پھر رہے ہیں۔ عمامہ سر سے اتار رکھا ہے۔ اور چہرے کا رنگ بھی کبھی کچھ ہے اور کبھی کچھ اور یہ قطعہ بار بار پڑھ رہے ہیں ؎

خواہم ہمیشہ در وفائے توزیم
خاکے شوم و بزیر پائے توزیم
مقصود منِ خستہ زکونین توئی
از بہرِ تو میرم از برائے توزیم

---

[1] : فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۸۸ ۔ سیر الاولیاء صہ ۳۹۵ چ ۔

[2] : فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۵۹ ۔

Marfat.com

جب قطعہ پورا ہو جاتا تو آپ سجدہ کرتے اور پھر اسی طرح پوطرفہ پھرتے اور قطعہ پڑھتے اور سجدہ کرتے۔ جب میں نے کئی بار یہی دیکھا تو میں سمجھا کہ یہ خاص کیفیت کا وقت ہے۔ لہٰذا میں حجرے کے اندر گیا اور شیخ شیوخ العالمؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے استقامت طلب کی اور شیخ کبیرؒ نے وہ مجھے عنایت فرمائی۔ اب پشیمان ہوتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں چاہا کہ سماع کی حالت میں واصل بحق ہوں [1]

قاشِ خربوزہ

حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالمؒ بیمار تھے اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آپ روزے سے نہیں تھے۔ آپ کی خدمت میں خربوزہ کی پھانکیں پیش کی گئیں۔ میں بھی حاضر خدمت تھا اور اٹھا اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کر رہا تھا۔ اور آپ تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک قاش مجھے بھی عنایت فرمائی۔ میں نے سوچا پھر یہ نعمت کہاں نصیب ہوگی۔ اسے فوراً ہی کھالوں کفارے میں دو مہینے کے روزے رکھ لوں گا۔ جیسے ہی اس نیت سے میں نے شیخ کبیرؒ کے دستِ مبارک سے قاش لی۔ آپ نے فوراً ہی فرمایا: نہیں، ایسا نہ کرو۔ مجھے تو شرعی رخصت ہے تمھیں ایسا نہیں چاہیئے [2]

یہ بیماری دراصل مرض الموت کی بیماری تھی۔ اسی بیماری میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا وصال ہوا۔ حضرت امیر حسن علاء سنجریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے دریافت کیا کہ آپ شیخ شیوخ العالمؒ کے وصال کے وقت موجود تھے یا نہیں؟ آپ نے چشم پُرنم ہو کر فرمایا: نہیں، مجھے شوال ہی کے مہینے میں دلّی بھیج دیا تھا [3]

---

[1]: سیر الاولیاء صہ ۱۲۳ پ

[2]: سیر الاولیاء صہ ۳۳۷ پ

[3]: فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۵۲

Marfat.com

لعابِ دہن

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا کہ جمعہ ۲۵[1] جمادی الآخر ۶۶۹ھ / ۱۲۷۱ء بعد نمازِ جمعہ شیخ شیوخ العالمؒ نے مجھے بلایا۔ اور اپنے دہن مبارک کا لعاب میرے مونھ میں ڈالا۔ اور قرآنِ مجید حفظ کرنے کی وصیت فرمائی۔ اور فرمایا: نظام! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمھیں دین بھی دیا اور دنیا بھی۔ جاؤ! ملک ہند کو سنبھالو۔ نَظْرَۃُ مِنْكَ یَکْفِنِیْ، تمھیں ایک ہی دفعہ کا دیکھنا کافی ہے[2]

سورۂ یوسف

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا کہ قرآنِ پاک کو یاد کرنے کے لیے شیخ شیوخ العالمؒ پہلے سورۂ یوسف کو یاد کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ اس کی برکت سے حق تعالےٰ پورے قرآن پاک کو یاد کرنے کی توفیق عنایت فرمائے[3]

استغنا

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے پہلی شعبان ۶۶۹ھ / ۱۲۷۱ء کو شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں استدعا کی کہ میں دربدر مارا مارا نہ پھروں۔ آپ نے استدعا کو

۱: یہ تاریخ اور سن اور یہ دن تقویم کے اعتبار سے بالکل درست ہے (تقویم ہجری وعیسوی ص۳۴) لیکن غلام احمد بریاں نے ترجمہ سیر الاولیاء ص۱۳۰ میں ۲۵ رمضان المبارک ۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء لکھا ہے جو سراسر غلط ہے

۲: سیر الاولیاء، ص۱۲۳ ا ح۔

۳: فوائد الفواد جلد ۲ ص۶۵۔ سیر الاولیاء ص۴۳۸ ج۔

Marfat.com

قبول فرمایا اور فاتحۂ خیر سے مدد فرمائی[1]

خلافت کیا ہے؟

تصوّف کی اصطلاح میں شیخِ طریقت کی جانشینی کو خلافت کہتے ہیں۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ خلافت کے منصب کا مستحق وہ شخص ہے جس کے دل میں خلافت کی تمنّا نہ ہو[2]

خلافت کی قسمیں

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے خواجہ شیخ شیوخ العالمؒ سے سنا ہے کہ خلافت کی تین قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں[3]

(۱) شیخ کو کسی مُرید کے لیے خدا کی طرف سے الہام ہو یعنی خدائے تعالیٰ بلا واسطہ شیخ کے دل میں یہ ڈال دے کہ فلاں شخص کو خلافت دے دی جائے۔ اسے رحمانی خلافت کہتے ہیں۔ اور یہ محکم اور سب سے بہتر ہوتی ہے اور اس میں بہت ہی خیر و برکت ہے۔

(۲) مرید کے متعلق شیخ خوب سوچ بچار سے کام لے اور اپنے صواب دید سے خلافت عنایت فرمائے لیکن چونکہ ذاتی غور و فکر میں لغزش ہو سکتی ہے۔ اس لیے یہ خلافت دوسرے درجے کی ہے۔

---

[1]: سیر الاولیاء صہ ۱۲۳ ج۔

[2]: سیر الاولیا صہ ۳۴۵ ج

[3]: سیر الاولیا صہ ۳۴۵ ج

Marfat.com

(۳) کسی کی کوشش اور سفارش سے شیخ کسی مُرید کو خلافت عنایت فرمادے مگر اس صورت میں وہ شیخ کے منصب کا جائز حق دار نہیں ہوگا۔

خلافت ملنا

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا: جن ایام میں میرے خواجہؒ نے مجھے خلافت کی عزت بخشی۔ ایک دن مجھ سے فرمایا کہ خداوند عالم نے تمھیں علم و عقل اور عشق کی دولت سے مالامال فرمایا ہے اور جس میں یہ تینوں خوبیاں ہوں اس کے لیے مشائخ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی خلافت نہایت موزوں بلکہ افضل ہے[1] پھر جب میں دلّی سے تیسری[2] دفعہ شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رمضان[3] المبارک ۶۶۹ھ/۱۲۷۱ء کی تیرہ تاریخ تھی۔ شیخ شیوخ العالمؒ

---

[1]: سیر الاولیا صہ ۳۴۵ پ۔

[2]: حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سہ کرّت بخدمت شیخ الاسلام فرید الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز رفتہ ام ہر سال یک بار بعد ازاں کہ نقل فرمود ہفت بار دیگر رفتہ شدہ است یا شش بار (فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۴۲) لہٰذا جب حضرت محبوب الٰہیؒ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی حیات میں صرف تین بار حاضر خدمت ہوئے۔ اور تیسری بار کی حاضری میں خلافت ملی اور جمعہ ۲۵ ربیع الآخر ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء کو آپ حاضر خدمت تھے۔ اور ان ہی ایام میں حضرت بابا فریدؒ مرض الموت میں مبتلا تھے تو یہی تیسری بار کی حاضری ہے۔ اسی میں خلافت ملنا قرین قیاس ہے۔ اور اسی اعتبار سے ۶۶۵ھ کو بیعت ہونے کا سن قرار دیا جائے گا۔ مگر بعض نے ۶۵۶ھ بعض نے ۶۵۹ھ بعض نے ۶۷۱ھ اور بعض نے ۶۷۳ھ اور بعض نے سن لکھا ہی نہیں بلکہ صرف ۱۳ رمضان لکھ دیا ہے ظاہر ہے کہ یہ جو کچھ لکھا ہے تحقیق سے نہیں لکھا بلکہ اختلاف سنین کی بنا پر جو کچھ مناسب سمجھا لکھ دیا ہے۔

[3]: ۱۳ رمضان ۶۶۹ھ کو بروے تقویم ہفتہ ہے اور خلافت نامہ میں بدھ (بقیہ صہ ۶۹ پر)

نے مجھے بلایا اور فرمایا: نظام! یاد ہے جو میں نے کہا تھا[1] عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا، کاغذ لاؤ۔ اجازت نامہ لکھا جائے۔ کاغذ لایا گیا اور حضرت مولانا بدر الدین اسحاقؒ نے آپ کے حکم سے خلافت نامہ لکھ کر تیار کیا اور مجھے عنایت فرمایا۔[2]

حضرت محبوب الٰہیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیرؒ نے جس دن مجھے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ تو میری طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہاں کی نیکیوں سے مالا مال فرماتے اور نفع دینے والا علم اور پسندیدہ عمل عنایت فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا: خدا کرے کہ تم سایہ دار درخت بنو اور تمہارے سائے میں مخلوق آرام پائے[3] (آمین)

خلافت نامہ

حضرت محبوب الٰہیؒ کو حضرت بابا فرید گنجشکرؒ نے جو خلافت نامہ عنایت فرمایا تھا۔ وہ عربی زبان میں ہے۔ اس کے بعض اجزا کا ترجمہ تبرکاً شامل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

(بقیہ صفحہ ٦٨) کا دن لکھا ہے لہٰذا یا خلافت نامہ کئی دن بعد تیار ہوا ہے یا کاتب نے سہواً تاریخ غلط لکھ دی ہے اور یہ قرین قیاس ہے ممکن ہے کہ وہم ہو۔

[1]: صفحہ ٥٦، ٥٧ پر ذکر آچکا ہے کہ حضرت بابا فرید گنجشکرؒ نے یہ دعا کہ یا دائم الفضل ...الخ یاد کرنے اور پڑھتے رہنے کے لیے فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر ایسا کرو گے تو میں تمہیں اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دوں گا۔ یہ سوال اسی دعا کے متعلق تھا۔

[2]: سیر الاولیاء ص۱۱٦ پ ح

[3]: سیر الاولیاء ص۱۱٧ پ ح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وثنا اللہ ہی کی ذات کو زیبا ہے۔ وہی اوّل ہے۔ وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے، وہی پوشیدہ ہے۔ جسے اللہ پاک عزّت دیتا ہے اسے کوئی ذلّت نہیں دے سکتا۔ اور جسے وہ ذلّت دیتا ہے اسے کوئی عزّت نہیں دے سکتا۔ اور اللہ پاک کے برگزیدہ رسول صلعم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔ جن کا برگزیدہ نام محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اور ان کی اولاد پر اور ان کے دوستوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

بلاشبہ علم اصول میں سب کتابوں سے بہتر ابوشکور سالمیؒ کی کتاب تمہید المہتدی ہے۔ اور یقیناً علمِ اصول کے آغاز سے حاضرین کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور پڑھنے والے کو قلبی روشنی نصیب ہوتی ہے۔ اور تحقیق فرزندِ رشید برگزیدۂ امام وعالم اور آئمہ واتقیا اور بزرگ ترین علماء کے فخر نظام الملۃ والدین محمّد بن احمد اللہ پاک اپنی رضا سے انھیں مالامال فرمائے اور بلند ترین مدارج پر سرفراز فرمائے۔ بڑی تحقیق وتفحص سے یہ کتاب انھوں نے مجھ سے پڑھی اور میں نے انھیں تحریف وتصحیف کی غلطیوں سے محتاط رہ کر اس کے پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کی روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ جو انھوں نے مجھ سے حاصل کی ہیں۔ اور میں نے انھیں اس حدیث شریف کے مطابق کہ دنیا میں مسافر اور راہ گیر کی طرح رہو۔ اور اپنے کو اہلِ قبور سے شمار کرو۔ ایسی مسجد میں گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی ہدایت کی ہے جس میں جماعت ہوتی ہو۔ اور جب نظام الملۃ والدین خلوت کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے تو حکمت ودانائی کے سرچشمے پھوٹ نکلیں گے لہٰذا جو شخص ان کی خدمت میں پہنچے گا۔ وہ کامل نعمت سے بہرہ ور ہوگا۔ اور اس عزیز کا

ہاتھ ہمارے ہاتھ کا نائب ہے اور وہ ہمارے خلفا میں سے ایک ہیں۔ اور دینی و دنیوی کاموں میں ان کا حکم ماننا ہماری تعظیم کے مصداق ہے۔ اور جو ان کی تعظیم کرے اللہ پاک اس پر رحم فرمائے۔

یہ اجازت نامہ رمضان المبارک کے مہینے میں بدھ کے دن لکھا گیا اور شیخ شیوخ العالمؒ کے حضور میں اسحاق بن علی بن اسحاق دہلوی نے لکھا۔ اور اللہ کی مدد و توفیق سے یہ اجازت نامہ فقیر مسعود کی طرف سے مکمل ہوا۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے [۱]

اجودھن سے دِلّی آنا

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے رمضان المبارک میں حضرت محبوب الٰہیؒ کو خلافت عطا فرمائی اور شوال کے مہینے میں آپ کو دلّی بھیج دیا۔ اور آپ شیخ کبیرؒ کے حکم سے دلّی چلے آئے۔ حضرت بابا فرید گنجشکرؒ ان ایام میں سخت علیل تھے۔ یہاں تک کہ اسی بیماری میں آپ نے وصال فرمایا لیکن اس بیماری میں بھی آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کو یاد فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ وصال کے وقت بھی شیخ شیوخ العالمؒ نے مجھے یاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ فلاں تو دلّی میں ہے۔ ہاں میں بھی شیخ قطب الدّین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے وصال کے وقت موجود نہ تھا۔ بلکہ ہانسی میں تھا [۳]

---

[۱] : سیر الاولیاء صہ ۱۱۷ تا ۱۱۹ اچ

[۲] : مرا در ماہ شوال بدہلی فرستادہ بود د فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۵۳۔

[۳] : فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۵۳۔

خواجہ سید محمد کرمانیؒ

آپ بھی حضرت بابا فرید گنجشکرؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور شیخ کبیرؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ جب حضرت محبوب الٰہیؒ اجودہن (پاک پٹن) میں حضرت بابا فرید کی خدمت میں تھے تو ان دونوں بزرگوں میں باہم دوستی اور محبّت ہوگئی تھی اور جب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کو ان دونوں بزرگوں کی دوستی اور محبت کا علم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا، تم دونوں ساتھ ہی رہا کرو۔ تم دونوں مونھ بولے بھائی ہو گئے ہو[۱] چنانچہ حضرت خواجہ سید محمد کرمانیؒ اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں دِلّی چلے آئے۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ساتھ رہنے سہنے لگے[۲] لہٰذا جب خلافت ملنے کے بعد حضرت محبوبِ الٰہیؒ دلّی تشریف لائے اور سید محترم کو حضرت بابا فرید گنجشکرؒ کی علالت کا علم ہوا تو وہ دلّی سے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں اجودہن (پاکپٹن) چلے گئے۔ تاکہ پیر و مرشد کی خدمت سے سعادت حاصل کریں۔

سیّد محترم کا اجودہن[۳] پہنچنا

جب سید محترم اجودہن پہنچے اور حضرت بابا فرید گنجشکرؒ کے درِ دولت پر حاضر

---

۱ ؛ مونھ بولا بیٹا یا مونھ بولا بھائی کہنے سے باہمی ازدادِ محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ وہ تعلق مراد نہیں ہوتا جس میں ورثے کا حق قائم ہوا کرتا ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے لہٰذا جو زبان اور شریعت کی اصطلاح میں امتیاز نہیں کرتا وہ زبان دانی کے فن سے ناآشنا اور جہل میں مبتلا ہے۔

۲ ؛ سیر الاولیاء ص۳۰۹ ج۔

۳ ؛ سیر الاولیا ص۲۱۱ ج سید محمد کرمانی نے ۷۱۱ھ میں وصال پایا۔ چبوترۂ یاران پر مزار پُرانوار ہے۔

ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ فرزندانِ نانی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھے ہیں اور جانشینی وسجادگی کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں۔ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ حجرے میں پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ سید محترم نے حاضرین سے سلام وکلام کے بعد جب شیخ کبیرؒ کی پائے بوسی کے لیے حجرے میں جانا چاہا تو فرزندان نانی نے روکا، اور کہا کہ ملاقات کا موقع نہیں ہے۔ لیکن سید محترم کو پائے بوسی کا بے حد اشتیاق تھا۔ اس لیے آپ نے کسی کی نہ مانی اور حجرے کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے اور شیخ شیوخ العالمؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ کبیرؒ نے آنکھیں کھولیں اور دریافت کیا سید کیسے ہو اور کب آئے ہو؟ سید محترم نے عرض کیا کہ ابھی حاضر ہوا ہوں۔ پھر دلّی کے مشائخ و علماء کے سلام و پیام عرض کیے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی خوشی خوشی یہ سب باتیں سنتے رہے۔ اس گفت گو کے بعد جب حضرت محبوب الٰہی کا ذکر چھیڑا تو حضرت بابا فرید گنجشکرؒ نے خود ہی دریافت فرمایا کہ مولانا نظام الدین کیسے ہیں، اچھے ہیں خوش ہیں؟ سید محترم نے عرض کیا کہ وہ شب و روز مخدوم کے لیے دعائے خیر میں مشغول ہیں۔ اور مخدوم کی محبت سے ان کا دل معمور ہے۔ اور سلام و نیاز عرض کرتے ہیں اور پائے بوسی کے متمنی ہیں [1]

تبرکات

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے سید محترم سے گفت گو کے دوران میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے متعلق بڑی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا اور جامہ و مصلی اور عصا عنایت کر کے یہ فرمایا کہ یہ انھیں دے دینا۔ لیکن جیسے ہی یہ بات شیخ کبیرؒ کے صاحبزادوں نے سنی تو بہت برہم ہوئے اور سید محترم سے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے اور کہا کہ تم نے یہ کیا غضب کیا، ہمارا

---

[1] : سیر الاولیا ص ۱۲۲ ج

حق دوسرے کو دلا دیا۔ سید محترم نے بڑے تحمل سے کام لیا اور بڑی نرمی سے سمجھایا اور فرمایا: میری اس میں کیا خطا ہے۔ میں نے تو کچھ خصوصیت سے ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ دلی کے مشائخ و علما کے سلام و پیام عرض کیے تھے دورانِ گفتگو میں مولانا نظام الدین کا ذکر بھی آیا۔ اور شیخ کبیرؒ نے ان کے باب میں جو کچھ فرمایا خود ہی فرمایا اس میں میری سعی و کوشش کو دخل نہیں اور حق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو کچھ دلانا چاہتا ہے تو میری یا کسی کی کیا مجال ہے کہ مزاحم ہو یا روک سکے۔ اس کے بعد سید محترم نے وہ جامہ و مصلی اور عصار مولانا بدرالدین اسحاقؒ کے سپرد فرمادیا[1] تاکہ بطور امانت محفوظ رہے۔

زیارت و حصولِ تبرکات

جب حضرت محبوب الٰہیؒ کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے وصال کی افسوسناک خبر پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ اور آپ بطور تعزیت و زیارت فوراً ہی اجودھن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ تعزیت فرمائی اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مزار پُر انوار کی زیارت کی سعادت حاصل کی بعد ازاں حضرت مولانا بدرالدین اسحاقؒ[2] نے وہ امانتیں

---

[1]: سیر الاولیا ص ۱۲۲ ح

[2]: مولانا بدرالدین اسحاق بن علی بن اسحاقؒ دلی کے رہنے والے تھے اور دلی ہی میں آپ نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ علمی تبحر میں کمال حاصل تھا اور بلند پایہ علما میں شمار کیے جاتے تھے بعلم و فضل کے علاوہ نہایت درجہ عابد و زاہد بھی تھے۔ ان کمالات کے باوجود کچھ علمی اشکال ایسے در پیش تھے کہ علمائے دلی سے بھی حل نہ ہو سکے لہٰذا علمائے بخارا سے حل کرانے کی نیت سے بخارا کو روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر اجودھن پہنچے تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے بھی نیاز حاصل کیا۔ اور یہ دیکھا کہ (بقیہ ص ۶۷ پر)

Marfat.com

یعنی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے عنایت کیے ہوئے تبرکات، جامہ مصلیٰ اور عصاء حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو سونپ دیئے اور یہ بھی فرمایا کہ تمھاری عدم موجودگی میں سید محترم نے محبت کا حق واجبی طور پر ادا کیا۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے یہ سنتے ہی اظہار تشکر فرمایا، اور سید محترم سے گلے ملے اور ان دونوں بزرگوں میں محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط تر ہو گیا۔[۱]

سفرِ اجودہن

حضرت محبوبِ الٰہیؒ شیخ شیوخ العالمؒ کی حیات طیبہ میں تین بار اجودہن (پاکپٹن) گئے۔ پہلی بار آپ بیعت ہوئے پھر ہر سال میں ایک بار گئے[۲] گویا کہ پورا سال دِلّی میں نہیں گزارا اور اجودہن (پاکپٹن) چلے گئے۔ اور کئی کئی مہینے شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں رہے اور مدارجِ روحانیت طے فرمائے یہاں تک کہ تیسری بار آپ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمادیا گیا۔[۳] عطائے خلافت کے بعد شیخ کبیرؒ نے آپ کو شوال کے مہینے میں

(بقیہ صفحہ ۶۴) حضرت نے دوران گفتگو میں ان اشکال کو بھی حل فرمادیا ہے۔ مولانا بدرالدین اسحاقؒ حیران رہ گئے اور بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حضرت بابا فرید گنجشکرؒ ہی کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ ہی سے بیعت ہو گئے۔ اور منصب خلافت کی عزت حاصل کی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر نے بھی آپ کی قدردانی فرمائی۔ اور اپنی چھوٹی صاحبزادی بی بی فاطمہ کا نکاح آپ سے کر دیا مدت العمر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہی کی خدمت میں رہے۔ اجودہن (پاکپٹن) کی جامع مسجد میں مزار پُر انوار ہے ۶۹۰ھ ۱۲۹۱ء سال وفات بتایا جاتا ہے جو مشکوک ہے۔

[۱] : سیر الاولیا ص ۱۲۲ ج

[۲] : فوائد الفواد جلد ۲ ص ۲۳۰۔

[۳] : سیر الاولیا ص ۱۱۶ ج

دلّی بھیج دیا۔ اور کوئی دو سوا دو مہینے کے بعد شیخ شیوخ العالمؒ نے وصال فرمایا۔ وصال کے بعد بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کئی بار اجودھن تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے:

وصال کے بعد سات بار یا چھے بار اور جانا ہوا لیکن زیادہ تر گمان یہی ہے کہ سات ہی بار جانا ہوا ہے۔ میرے دل میں یہی ہے کہ حیات و ممات میں کل دس بار جانا ہوا ہے۔[1]

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے وصال کے بعد آپ جو اجودھن (پاکپتن) تشریف لے گئے۔ اس کے متعلق ہمارے علم میں صرف اس قدر ہے:

(۱) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے وصال کے بعد تعزیت اور زیارتِ مزار پُرانوار کی غرض سے تشریف لے گئے اور شیخ شیوخ العالمؒ شیخ کبیرؒ کے عطا کردہ تبرکات کی نعمت سے سرفراز ہوتے۔[2]

(۲) مولانا بدرالدین اسحاقؒ کے وصال کے بعد آپ نے ان کے صاحبزادوں کو اور اہلیہ کو جو شیخ شیوخ العالمؒ کی چھوٹی صاحبزادی تھیں دلّی بلا لیا تھا۔ لیکن بعض خویش و بیگانہ نے یہ اڑائی کہ آپ محترمہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات آپ کے شایانِ شان بھی نہیں تھی۔ لہٰذا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ اسی دن دلّی سے اجودھن تشریف لے گئے۔ اور محترمہ کے انتقال کے تیسرے دن دلّی تشریف لائے۔[3]

---

[1] : فوائد الفواد جلد ۲ صـ ۴۲

[2] : سیر الاولیا صـ ۱۲۲ چ

[3] سیر الاولیا صـ ۱۹۲ چ

Marfat.com

(۳) سلطان جلال الدین خلجی (۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء تا ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء) نے آپ سے ملاقات کی اجازت چاہی تھی۔ مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا تھا۔ پھر اس نے خفیہ طور سے حاضر ہونا چاہا۔ اور یہ راز آپ کو معلوم ہو گیا۔ لہٰذا اس راز سے آگاہ ہوتے ہی آپ اجودہن (پاکپتن) تشریف لے گئے۔ اور ملاقات کا موقع نہیں دیا۔[1]

(۴) حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ شیخ شیوخ العالمؒ قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کے بعد حج بیت اللہ کے شوق کا جذبہ بے حد غالب ہوا۔ میں نے کہا کہ پہلے شیخ کبیرؒ کی زیارت کے لیے اجودہن (پاکپتن) جاؤں پھر بیت اللہ کی زیارت کو جاؤں گا۔ لہٰذا میں اجودہن (پاکپتن) گیا۔ جب میں وہاں گیا تو میرا مقصود حاصل ہو گیا بلکہ کچھ زیادہ ہی حاصل ہو گیا۔[2]

(۵) دوبارہ پھر ایسا ہی ہوا کہ حج بیت اللہ کے شوق کا جذبہ بے حد غالب ہوا تو میں پھر شیخ کبیرؒ کی زیارت کر گیا۔ پھر بھی وہاں میرا مقصد پورا ہو گیا۔[3] یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا سر تھا اور کیا مقصد تھا، جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو کرامت ہوا البتہ دو روایتیں ہمارے علم میں ہیں۔ جن سے گمان ہوتا ہے کہ شاید آپ کا مدعا یہی ہو جس کا ذکر امیر خوردؒ نے کیا ہے اور وہ یہ ہے:

(۱) امیر خورد کرمانیؒ لکھتے ہیں:

"ایک عزیز بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں اپنے وطن سے حضرت

---

[1]: سیر الاولیا صہ ۱۳۵ پ

[2]: فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۱۵۵

[3]: فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۱۵۵

محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا۔ قصبہ لونڈی میں پہنچا تو خیال آیا کہ یہاں بھی ایک کامل درویش شیخ موہن رہتے ہیں۔ ان سے بھی نیاز حاصل کرتا چلوں۔ لہٰذا ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے۔ انھوں نے کہا: اچھا، تو میرا سلام بھی کہنا کہ میں وہی شیخ موہن ہوں جو ہر شبِ جمعہ کو بیت اللہ میں آپ سے نیاز حاصل کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو یہ پیام پہنچایا تو آپ مکدر سے ہوئے اور فرمایا کہ بے شک درویش تو اچھا ہے۔ مگر زبان کو قابو میں نہیں رکھتا[۱]

امیر خورد کرمانیؒ یہ بھی لکھتے ہیں:

شیخ نجم الدین اصفہانیؒ[۲] کامل درویشوں میں تھے۔ ایک دن مکہ معظمہ

---

[۱]: سیر الاولیا ص ۱۴۶ - ۱۴۵ -

[۲]: آپ کا نام عبداللہ تھا اور نجم الدین اصفہانی کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اور اصفہان کے رہنے والے تھے۔ والد بزرگوار کا نام احمد اور دادا بزرگوار کا نام محمد تھا۔ ابو العباس مرلیسی کے مرید و شاگرد تھے۔ نو عمری ہی میں مکہ معظمہ آ گئے تھے۔ ساٹھ سال تک خانہ کعبہ کے پڑوس میں رہے ایک بلند مکان پر بیٹھے خانہ کعبہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ سلوک و روحانیت میں مقامات بلند اور مدارج ارجمند رکھتے تھے۔ اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔ شادی بھی نہیں کی تھی۔ اور عورتوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے ایک شخص نے جس کا نام محمد تھا مدینہ منورہ جاتے ہوئے یہ خیال کیا کہ اتنی مدت سے یہ مکہ معظمہ میں رہتے ہیں ایک بار بھی مدینہ منورہ نہیں گئے۔ اس خیال کے آتے ہی جو سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ مولانا نجم الدینؒ ہوا میں اڑے چلے جا رہے ہیں اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ محمد تم (بقیہ ص ۷۹ پر)

Marfat.com

کے مجاوروں نے اُن سے دریافت کیا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ ایک عالم کے مقتدا ہیں۔ لیکن بیت اللہ کی زیارت کو نہیں آتے۔ شیخ نجم الدین اصفہانیؒ نے جواب دیا کہ وہ تو اکثر فجر کی نماز ہمارے ہی ساتھ بیت اللہ میں پڑھتے ہیں۔[1]

لہٰذا یہ سمجھا بے جا نہ ہوگا کہ گویا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کی برکت سے مادیت کا پردہ اُٹھ گیا تھا۔ اور آپ کو شبِ جمعہ اور اکثر نماز فجر بیت اللہ میں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہونے لگی تھی۔ اور جب یہ ہے تو حج بیت اللہ کی سعادت سے محروم رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی بلکہ یقیناً ہر سال آپ کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

قیام گاہیں

حضرت محبوب الٰہیؒ سولہ سال کی عمر میں بدایوں سے دلّی تشریف لے آئے تھے اور آخر دم تک آپ دلّی ہی میں رہے۔ مگر شہر کی گنجان آبادی میں نہیں بلکہ شہر کے نزدیکی محلوں میں رہے۔ وہاں بھی آپ کا دل نہیں لگتا تھا۔ اور آپ کسی گم نام جگہ رہنا چاہتے تھے۔ بہر حال آپ عرصے تک قدیم دلّی کے نزدیکی محلوں میں رہے۔ اور سات مختلف مکانات میں رہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بدایون سے دلّی آئے تو سرائے میاں[2] بازار

(بقیہ صفحہ ۷۰) کیا سوچتے ہو۔ میں تو ہر روز مدینہ منورہ کی زیارت کیا کرتا ہوں۔ ۱۳۲۰ھ میں وصال ہوا۔

[1] : سیر الاولیا ص ۱۴۳ ج

[2] : سرائے میاں بازار اور سرائے نمک کا نام ہی نام رہ گیا ہے۔ مقام کا کسی کو بھی پتہ نہیں۔ بارگاہ قواس کا تو کہنا ہی کیا۔

Marfat.com

میں اترے۔ جسے سرائے نمک بھی کہتے تھے۔ والدہ محترمہ اور ہمشیرہ عزیزہ کو تو سرائے ہی کے ایک مکان میں ٹھیرایا اور خود بارگاہ قواس میں ٹھیرے۔ اسی محلے میں امیر خسروؒ بھی رہا کرتے تھے[1] اور یہ مکان شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پڑوس میں تھا۔[2] آپ خاصے دنوں اس مکان میں رہے[3]۔

پھر جب راوت عرض[4] کے لڑکے اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ اور ان کی حویلی خالی ہوئی، تو حضرت امیر خسروؒ کی کوشش سے یہ حویلی آپ کو مل گئی۔ اور آپ کوئی دو سال اس حویلی میں رہے۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی پہلی منزل میں حضرت سید محمد کرمانیؒ بال بچوں سمیت رہتے تھے۔ درمیانی منزل میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ رہتے تھے اور بالائی منزل میں دوست واحباب قیام فرماتے تھے[5]۔ یہ حویلی مندہ پل دروازے کے نزدیک تھی۔ اور

---

۱ : سیر الاولیا صـ۱۰۸ ج ۔ امیر خسروؒ جیسے نامی گرامی شخص کی حویلی کا بھی کچھ پتہ نشان نہیں قدیم دلی کی آبادی کی جگہ سنسان ہو کا لمکان ہے۔ کہیں کہیں جو چھوٹے چھوٹے دیہات تھے وہ اب نو آبادیات کی بھینٹ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ع

مٹتے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

۲ : سیر الاولیا صـ۱۰۰ ج ۔

۳ : غالباً اسی مکان میں حضرت محبوبِ الٰہی کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا۔

۴ : سیر الاولیا صـ۱۰۸ ج ۔ ایک صاحب نے امیر خوردؒ کے بیان کو بدل کر اس طرح لکھا ہے:

"اوپر کے درجے میں سید محمد کرمانی ٹھیرے درمیانی میں حضرت سلطان المشائخ اور دوسرے کمرے میں۔ جو لوگ اجودھن سے آتے تھے۔ وہ لوگ اس بلند عمارت کی چھت پر ٹھیرے۔ (تاریخ نظامی صـ۱۵ پہلا ایڈیشن)

۵ : مندہ پل دروازے کا اب نشان بھی نہیں۔ البتہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا اور (بقیہ صـ۸۱ پر)

قدیم دلی جو موجودہ قصبہ مہرولی سے شمال مشرق میں آباد تھی اس کے قلعہ کا ایک گنبد بھی اس حویلی کی عمارت میں شامل تھا۔ جب راوت عرض کے لڑکے اپنی جاگیروں سے واپس آ گئے۔ تو انھوں نے آتے ہی مکان خالی کرا لیا اور اتنی بھی مہلت نہ دی کہ کوئی دوسرا مکان تلاش کر لیا جاتا۔ لہٰذا وقتی طور پر آپ چھپر دار کی مسجد[1] میں چلے گئے جو سراج بقال کی دکان کے سامنے تھی۔ ایک رات آپ نے اس مسجد میں قیام فرمایا اور سید محمد کرمانیؒ نے بال بچوں سمیت چھپر دار کی دہلیز میں رات بسر کی لیکن اسی رات راوت عرض کی حویلی کو آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاک ہو گئی۔

دوسرے دن شیخ صدر الدینؒ کے مرید سعد کاغذی[2] کو خبر ملی۔ وہ بہت خوش عقیدہ آدمی تھے، آتے اور حضرت کو اپنے ہاں لے گئے۔ اور اپنے بالاخانے میں ٹھیرایا اور حضرت سید محمد کرمانیؒ کے لیے الگ مکان کا انتظام کر دیا۔ غرض کہ آپ ایک مہینے تک سعد کاغذی کے ہاں رہے۔

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ سرائے رکاب دار کے ایک مکان میں چلے گئے جو پل قیصر[3] کے پاس تھی، اسی سرائے کے ایک حجرے میں حضرت سید محمد کرمانیؒ بال بچوں سمیت مقیم ہوئے اور خاصے دنوں یہاں رہے۔

(بقیہ صفحہ ۸۰) خواجہ محمد امامؒ کی والدہ بی بی فاطمہ کا مزار بیرونی مندہ پل دروازہ بتایا ہے (سیر الاولیاء ص ۱۶۹ و ص ۱۹۲ ج) اور وہ موجود ہیں۔ اب اس جگہ کا نام موضع اڑچینی مشہور ہے اور مہرولی سے جانب جنوب مہرولی روڈ پر ہے۔

[1] مسجد چھپر دار کا نام ہی نام رہ گیا ہے۔ نشان کچھ بھی نہیں۔

[2]: حضرت محبوب الٰہی کی برکت سے سعد کاغذی کا نام بھی زندہ ہے ورنہ ع

کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند (بقیہ ص ۸۲ پر)

Marfat.com

اس کے بعد حضرت محبوبِ الٰہیؒ شادیؒ گلابی[۴] کے مکان میں چلے گئے جو محمد[۵] میوہ فروش کی دکانوں کے پاس تھا۔ ان ہی دنوں میں شمس الدین شرب دار کے لڑکے اور رشتہ دار آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور شرب دار کے لڑکے بڑی عزت کے ساتھ شرب دار کے مکان[۱] میں لے گئے۔ اور آپ اس مکان میں بڑے اطمینان سے رہے اور کئی برس رہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ گوشۂ تنہائی کے متلاشی اور خواہشمند تھے اور یہ چاہتے تھے کہ آبادی سے الگ کسی گمنام جگہ رہیں اور خاموشی سے اللہ کی یاد میں زندگی بسر کریں۔

قتلغ خاں کا حوض[۲]

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن قتلغ خاں کے حوض کے کنارے بیٹھا قرآن پاک یاد کر رہا تھا۔ اتفاقیہ ایک درویش دکھائی دیے جو مشغول بحق تھے۔ میں ان کے پاس گیا۔ اور ان سے پوچھا، کیا آپ اسی شہر میں رہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، رہتا تو اسی شہر میں ہوں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا یہاں اطمینان سے رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا: نہیں،

(بقیہ صفحہ ۸۱)

۲-۳ سے: سرائے رکاب دار کا کچھ پتہ ہے اور نہ پل قیصر کا بس نام ہی نام رہ گئے ہیں۔ نشان کچھ بھی نہیں۔ کتابیں تک خاموش ہیں۔

۴-۵-۶ سے: شادی گلابی، محمد میوہ فروش اور شمس الدین شرب دار۔ اب کون جانتا ہے کہ کون تھے کیسے تھے اور کن اخلاق وعادات کے مالک تھے۔

لہ: شرب دار بادشاہ کے پینے کا پانی اور دوسری پینے کی چیزوں کے منتظم کے عہدے کا نام شرب دار تھا۔ (حاشیہ ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ صہ ۱۴۹)

۲ سے: قتلغ خاں کون تھے۔ ان کا یہ حوض کہاں تھا۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں۔ ممکن ہے کہ یہی وہ (بقیہ صہ ۸۳ پر)

Marfat.com

اطمینانِ قلب تو کہاں! پھر انھوں نے یہ بیان کیا کہ ایک دفعہ دروازۂ کمال[1] کے باہر خندق کے کنارے جو بلند زمین ہے اور جہاں شہیدوں کے مزارات ہیں۔ وہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر ایمان کی سلامتی چاہتا ہے۔ تو یہاں سے نکل جا پچیس برس ہو چکے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکل جاؤں لیکن نکلنا نہیں ہوتا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں سُن کر میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ کبھی سوچتا کہ امیر خسروؒ کے پاس پٹیالی چلا جاؤں کبھی سوچتا کہ پاس کے پاس بسالہ[2] ہی چلا جاؤں جو گمنام سا گاؤں ہے۔ بلکہ وہاں گیا بھی اور تین دن تک وہاں قیام بھی کیا لیکن رہنے کے لیے کوئی مکان نہ ملا۔ ناچار واپس چلا آیا۔ مگر یہ کرید دل کو لگی رہی۔

(بقیہ صفحہ ۸۲) مقام ہو جسے اب تالاب پیراں کہتے ہیں۔ جو ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے گرد چہار دیواری ہے۔ اور قلعہ پتھورا کے مغرب میں ہے۔

[1]: دروازہ کمال کا تو نشان بھی نہیں مغرب میں شمسی عیدگاہ کے آس پاس کہیں تھا۔ اس دروازے کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔ اور فوائد الفواد جلد ۲ ص۶۲ میں عیدگاہ کے ساتھ اس کا ذکر ملتا ہے۔

[2]: بسالہ کہاں ہے یہ ابھی تک مجھے تحقیق نہیں ہو سکا البتہ میں اس کا متلاشی ہوں۔ امیر خوردؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ قدیم دلی سے نزدیک پہاڑ میں کوئی مقام تھا اور کسی بند کے سرے پر تھا۔ یہاں ایک چھوٹی سی قدیم مسجد بھی تھی۔ یہ جگہ درندوں اور وحشی جانوروں کا مسکن تھی، شیر، بھیڑیے، سانپ اور اژدہے بکثرت تھے۔ جگہ جگہ سانپوں کی کیچلیاں لٹکتی نظر آتی تھیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک معزز خلیفہ علامہ زرادیؒ نے یہاں سخت سخت مجاہدے کیے تھے اور دائم الصوم رہے تھے کچھ اور بھی مجاہد اور دائم الصوم ان کے ساتھ گئے تھے مگر گھبرا کر واپس چلے آئے تھے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۲۶۵ پ ح)

Marfat.com

غیاث پور

آپ فرماتے ہیں ایک دن طبیعت بھی حاضر تھی۔ اور وقت بھی خوش گوار تھا میں حوض رانی[1] کی طرف باغ جسرتھ[2] میں تھا۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی؛ خداوندا! میں اس شہر میں تو رہنا چاہتا نہیں لیکن اپنی مرضی سے کہیں جانا بھی نہیں چاہتا۔ بلکہ جہاں تیری رضا ہو، وہیں رہنا چاہتا ہوں۔ اسی اثنا میں آواز آئی غیاث پور[3] میں نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ کبھی دیکھا تھا نہ یہ جانتا ہی تھا کہ غیاث پور ہے کہاں۔ بہر حال میں اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ جو نیشاپوری نقیب تھا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ وہی غیاث پور ہے۔ لہٰذا جب وہ آگیا تو میں اس کے ہمراہ غیاث پور گیا۔ یہ

۱؎ : حوض رانی تو اب کہاں لیکن اس نام کا ایک گاؤں اس سرزمین پر آباد ہے۔ یہ قطعہ زمین عہد ماضی میں قدیم دلّی کے مشرق میں تھا۔ اسی پر قدیم دلی کا بدایوں دروازہ کھلتا تھا جو نہایت مشہور اور عالی شان تھا۔ اسی دروازے پر علاؤ الدّین خلجی نے شراب سے توبہ کی تھی۔ اور شراب لنڈھوائی تھی جس سے اس سرزمین پر برسات جیسی کیچڑ ہو گئی تھی۔ یہ سرزمین راجواڑوں اور شاہان دلی کی رزم گاہ بھی رہی ہے۔ باغی مغلوں کا اور بلوائی ملحدوں کا قتل عام بھی اسی سرزمین پر ہوا ہے۔ غیر ممالک کے ایلچی بھی اسی سرزمین سے گزر کر بدایوں دروازے میں داخل ہوتے تھے۔ اور ان کے تابناک جلوس بھی یہیں سے گزرتے تھے۔ غرض کہ یہ سرزمین عظیم تاریخی حیثیت کی مالک ہے۔ اب نوآبادیات نے اسے گھیر لیا ہے۔ (طبقاتِ ناصری)۔

۲؎ : باغ جسرتھ کا تو اب نشان بھی.... نہیں۔

۳؎ : غیاث پور بہت قدیم نام ہے۔ تاریخ فیروز شاہی برنی میں بھی اس کا ذکر ہے کہتے ہیں کہ سلطان غیاث الدّین بلبن نے عہد وزارت میں یہاں سرزغن نامی ایک قلعہ بنوایا تھا۔ جو مکمل (بقیہ ص۸۵ پر)

Marfat.com

ایک چھوٹا سا اور گمنام سا گاؤں تھا۔ پھر میں وہیں رہنے سہنے لگا۔[1]

ابتدائی مجاہدے

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا رجحان بچپن ہی سے مجاہدات کی طرف تھا۔ اور آپ رضائے الٰہی میں خوشی خوشی ان سختیوں کو برداشت کرلیا کرتے تھے جن سے شب و روز دو چار ہونا پڑتا تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ ط بلاشبہ سلطان الاولیا اور محبوبِ الٰہی ہونے کے لیے ان ہی اوصاف کی ضرورت تھی جو اللہ پاک نے آپ کو کرامت فرمائے تھے۔ الغرض خیر و برکت کی نیت سے بعض ابتدائی مجاہدوں کے ذکر کو دہرایا جاتا ہے۔ اللہ پاک ان کے ذکر کی برکت سے ہمیں بھی اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

اللہ کے مہمان

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ میری والدہ محترمہؒ کی عادت تھی کہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا۔ تو مجھ سے فرماتیں کہ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ میں یہ سنتا تو مجھے

(بقیہ صفحہ ۷۸) نہیں ہوا تھا۔ اسی کی آبادی کا نام غیاث پور ہے۔ اس قلعہ کا باقی ماندہ حصہ لال محل کے نام سے مشہور ہے۔ راقم اسی محل میں مسکن گزیں ہے۔

[1] : اس زمانے میں یہ مقام دریائے جمنا کے کنارے تھا۔ اب جمنا دور چلی گئی ہے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ایک مرید عماد الملک ضیا الدینؒ وکیل نے آپ کے لیے ایک عالی شان عمارت بنوا دی تھی جو اب تک موجود ہے اور بہت خیر و برکت کا مقام ہے۔ سترھویں شریف کے موقع پر خواجہ حسن ثانی صاحب عرس کی تقریب منایا کرتے ہیں۔ ضیا الدین وکیل کا مزار بھی اسی عمارت کے صحن میں ہے۔

Marfat.com

بڑی لذت وکیفیت حاصل ہوتی۔میں دن بھر مگن رہتا۔ایک دن ایک شخص اتنا غلہ دے گیا کہ کئی دن لگاتار روٹی پکتی رہی۔میں دل ہی دل میں یہ کہتا کہ کب یہ ختم ہو۔اور کب والدہ محترمہؒ یہ فرمائیں کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں۔تاکہ پھر وہی لذت نصیب ہو۔

خربوزے کی فصل

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے۔سلطان غیاث الدّین بلبن[1] کے عہد میں دو جیتل[2] کے من[3] بھر خربوزے آتے تھے۔لیکن فصل کا بڑا حصہ گزر چکا تھا اور میں نے خربوزہ چکھا تک نہیں تھا۔اور جی یہی چاہتا تھا کہ ساری فصل یوں ہی گزر جائے لیکن فصل کے آخر میں ایک شخص کئی روٹیاں اور کئی خربوزے مجھے دے گیا۔چونکہ یہ غیب سے انتظام ہوا تھا اس لیے میں نے قبول کرلیا۔اور ساری فصل میں اسی دن خربوزے کھائے۔

کھچڑی

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ جب میں اس برج[4] میں رہتا تھا جو مندہ پل دروازے

---

[1]: سلطان غیاث الدّین بلبن کا نام الغ خاں تھا اور سلطان شمس الدّین التمش کے غلاموں میں سے تھا اور نہایت لائق اور ہونہار تھا، التمش کے بیٹے ناصر الدّین محمود کے بعد ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں تخت نشین ہوا بائیس[22] برس نو مہینے بڑے عدل و انصاف سے حکومت کی ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں بیمار ہوکر وفات پائی۔قطب مینار (دلی) کے جانب جنوب پہاڑی پر ایک شکستہ و بوسیدہ مقبرے میں قبر ہے اور ساتھ ہی ایک مقبرے میں اس کے چہیتے بیٹے خانِ شہید کی قبر ہے عہد ماضی میں اس سرزمین کو دار الاماں کہتے تھے۔

[2،3]: جیتل تانبے کا ایک سکہ تھا جسے ایک پیسے کے برابر سمجھنا چاہیئے۔اور من موجود (بقیہ صہ ۸۷ پر)

کے پاس تھا۔ تو تین دن گزر گئے تھے اور کھانے کو کچھ میسر نہیں آیا تھا۔ ایک شخص نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے کسی سے کہا: دیکھو، کون ہے۔ وہ گیا اور دروازہ کھولا تو ایک شخص نے اسے کھچڑی کا ایک پیالہ دیا اور چلا گیا۔ جب وہ لے کر اندر آیا۔ تو میں نے دریافت کیا کہ تم اس کو پہچانتے بھی تھے کہ وہ کون تھا۔ جو یہ دے کر گیا ہے۔ اس نے کہا: نہیں۔ بہر حال ہم سب نے اس کھچڑی کو کھا لیا۔ وہ خشک کھچڑی اتنی مزے کی تھی کہ آج تک کسی کھانے میں وہ مزہ نہیں آیا۔ اس کا ذائقہ آج تک یاد ہے۔ پھر فرمایا: اب بھی جو نعمت ملتی ہے آنے والے ہی کے نصیب سے ملتی ہے[۳]

روٹی

آپ یہ بھی فرماتے تھے: ایک دفعہ ایک رات اور ایک دن بن کھائے پئے گزر چکا تھا۔ بلکہ آدھی رات اور بھی گزر گئی تھی۔ اور اتنا بھی میسر نہ ہوا کہ ایک دانگ[۵] کی روٹی خرید کر کھا لیتے۔ حالانکہ اس زمانے میں ایک جیتل کی دو سیر میدے کی روٹی آتی تھی۔ میری والدہ محترمہؒ اور ہمشیرۂ عزیزہ اور جو بھی میرے ساتھ تھے۔ سب کا یہی حال تھا۔ اور ان حالات میں اگر کوئی مصری یا شکر یا مہین کپڑا لاکر دیتا تو اگرچہ میں اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت کو پورا کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ غیب سے جس طرح پہنچا اسی طرح رہنے دیا کیونکہ اس رد و بدل سے گرسنگی اور بھوک رفع نہیں ہو سکتی تھی[۶]

(بقیہ صفحہ ۸۶) زمانے کے بارہ سیر وزن کے برابر تھا۔ (حاشیہ ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ جلد ۲ صہ ۱۴۲)

[۴]: غالباً راوت عرض والا مکان مراد ہے۔

[۵]: دانگ کو لغت میں ۹ رتی کا وزن لکھا ہے لیکن یہ نہیں تحقیق ہوا کہ یہ سکہ کتنے میں چلتا تھا۔ البتہ دام ایک سکہ تھا جو روپے میں چالیس آتے تھے۔ (ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ صہ ۱۴۳۔ حاشیہ)

Marfat.com

دراصل یہ اعلیٰ ہمتی اور بلند کردار کی خوبی تھی کہ ایسے شدید حالات میں بھی بدلنے نہ پائے۔

زنبیل گردانی

امیر خورد کرمانیؒ لکھتے ہیں کہ جب حضرت محبوبِ الٰہیؒ غیاث پور میں آکر آباد ہوئے تھے۔ تو زنبیل لٹکا دی جاتی تھی۔ اور روٹی کے جو ٹکڑے اس میں ہوتے تھے وہ افطار کے وقت نکال لیے جاتے تھے۔ اور ان ہی سے روزہ افطار کر لیتے تھے۔ ایک دن افطار کا وقت تھا اور زنبیل سے ٹکڑے الٹ کر دستر خوان پر رکھے ہی تھے کہ ایک فقیر آیا۔ اور سب سمیٹ کرلے گیا۔ اس نے شاید یہ سمجھا کہ یہ سب کھانا کھا چکے ہیں اور یہ پس خوردہ ہے۔ آپ یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے کام میں بڑی خیر و برکت ہے کہ ہمیں بھوکا رکھا جا رہا ہے (سبحان اللہ) یہ واقعہ دو فاقوں کے بعد پیش آیا تھا[1]

ہدیۂ جلالی

امیر خوردؒ لکھتے ہیں کہ تنگ دستی اور عسرت پوری بہار پر تھی۔ اور کئی کئی دن بن کھائے پئے گزر جاتے تھے۔ ان ہی دنوں میں سلطان جلال الدینؒ[2] خلجی (۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء تا ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء) نے

(بقیہ صد ۸۷)

۵: سیر الاولیا، صد ۱۱۳ ج

۱: سیر الاولیا، صد ۱۱۳ ج

۲: کیقباد کے قتل کے بعد جلال الدین خلجی (۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء تا ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء) تخت نشین ہوا۔ یہ بہت بہادر اور مشہور سپہ سالار تھا عمر رسیدہ بھی تھا۔ مزاج میں ملنساری اور مروت بہت زیادہ تھی۔ اور اگرچہ یہ بھی ترک نسل سے تھا لیکن ترک اس کے قبیلے کو [illegible] نہیں دیکھتے تھے اس لیے (بقیہ صد ۸۹ پر)

Marfat.com

کچھ تحفے آپ کو بھیجے اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو خدّام کے لیے کچھ دیہات وقف کر دیئے جائیں تاکہ وہ فراغت اور دل جمعی سے مشغول بحق رہیں۔ آپ نے انکار فرما دیا لیکن جب یہ بات آپ کے بعض خادموں نے سنی تو انھوں نے اپنی حالت راز بیان کی اور یہ چاہا کہ آپ دیہاتوں کا یہ ہدیہ قبول فرمالیں، لیکن آپ رضامند نہ تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے ہم خرقہ اور دوسرے دوستوں کو بلا کر مشورہ کیا۔ چنانچہ ان سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ مولانا نظام الدین! اب تو ہم وقت بوقت آپ کے ہاں کھانا بھی کھا لیتے ہیں، لیکن اگر آپ نے دیہات قبول کر لیے تو ہم پانی بھی نہ پئیں گے۔ آپ ان کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: مجھے تو آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی اب آپ نے مجھے مطمئن کر دیا۔ یہ خدا کا انعام ہے۔ الحمد للہ علی ذالک[۱]۔

الغرض حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے جوانی کے زمانے میں کامل تیس[۳۰] سال تک نہایت سخت دشواریوں میں زندگی بسر کی۔ اور سخت سخت مجاہدے کیے۔ یہ ان میں سے شمہ برابر بھی نہیں ہیں جنھیں یہاں نقل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے صدقہ میں ہمیں بھی صراط مستقیم

(بقیہ صـ ۸۰) انھیں اس کا بادشاہ ہونا بھی گوارا نہ تھا۔ مگر جب وہ بادشاہ ہو گیا۔ اور مروت و شرافت کا سلوک کیا تو سب اس کے گرویدہ ہو گئے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس کے عہد میں تاتاریوں نے سخت حملہ کیا اور منھ کی کھائی۔ لیکن ان سے بھی ایسا سلوک کیا کہ چنگیز خاں کا نواسہ الغوخاں چار ہزار مغلوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اور بادشاہ نے اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی اور غیاث پور کے آس پاس ہی انھیں رہنے کو جگہ دی جہاں انھوں نے عمارتیں بنائیں اور اس کا نام مغل پورہ رکھا۔ یہ جگہ بارہ پلہ اور غیاث پور کے درمیان تھی محلات کے کچھ کھنڈر اب بھی باقی ہیں۔ اس بادشاہ کو اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے قتل کر دیا تھا۔

[۱]: سیر الاولیاء صـ ۱۱۴ ج۔

پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثمہ آمین۔

مردانِ غیب

حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ نوعمری میں کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا تھا کہ اگر مردانِ غیب کی صحبت نصیب ہو جائے تو سبحان اللہ کیا ہی خوب ہے لیکن پھر میں نے سوچا کہ یہ کیا ہے۔ اس سے بہتر کوئی راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور میں اس خیال سے دست بردار ہو گیا[1]

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مردانِ غیب پہلے آواز دیتے ہیں۔ پھر آواز سناتے ہیں پھر ملاقات کرتے ہیں اور پھر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سبحان اللہ وہ کیا خوب جگہ ہے۔ جہاں وہ لے جاتے ہیں[2] گویا کہ آپ اس جگہ سے بھی خوب واقف تھے۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میں بدایوں سے دلّی آ رہا تھا۔ تو راستے میں ایک شخص ملا۔ جو گدڑی پہنے ہوا تھا۔ کمبل بغل میں تھا۔ اور سر پر میلا سربند تھا۔ دیوانوں کی طرح میرے سامنے آیا۔ سلام کیا پھر گلے ملا۔ اور میرے سینے کو سونگھا۔ پھر گلے ملا۔ اور مجھے غور سے دیکھا اور کہا ؛ یہاں سے تو مسلمانی کی خوشبو آتی ہے۔ وہ چلا گیا۔ اور میں ذرا بھی نہ سمجھا کہ کون تھا[2] اور کون نہیں۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میں مندہ پل[3] دروازے رہا کرتا تھا۔ تو میں نے شیخ رسالؒ[4] کے روضے میں چلہ کیا۔ ان کے روضے میں ایک سوکھا سا درخت تھا۔ میں نے دیکھا کہ

---

[1] : سیر الاولیا، صہ ۱۱۲، ح فوائد الفواد جلد ا صہ ۱۶

[2] : سیر الاولیا صہ ۱۱۵ ح۔

[3] : غالباً راوت عرض والا امکان مراد ہے۔

[4] : شیخ رسالؒ کون بزرگ تھے ان کا روضہ قدیم دلّی میں کہاں تھا۔ اب یہ کون بتا سکتا ہے۔ کیا وہ صاحب اس عقدے کو حل کر سکتے ہیں جنھیں حضرت کی جانشینی و سجادہ نشینی کا دعویٰ ہے۔ ۵ : سیر الاولیا صہ ۱۱۳ ح

Marfat.com

وہ چلّے کے اندر ہی اندر ہرا بھرا ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں شیخ رسالؒ کے روضے کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور عرض کیا :

شیخ ایک ہی چلّے میں اس سوکھے سے درخت کی کایا پلٹ گئی اور یہ ہرا بھرا ہو گیا۔ مگر میری حالت ذرا بھی نہیں بدلی۔

یہ عرض کیا اور چلا آیا۔ ابھی راستے ہی میں تھا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص گویا نشے میں چور دیوانہ وار میری طرف چلا آرہا ہے۔ میں یہ سمجھا کہ یہ کوئی خماری یا نشہ باز ہے لہٰذا میں نے بچ کر نکلنے کی کوشش کی لیکن جس طرف میں رُخ کرتا۔ ادھر ہی وہ آتا۔ آخر تنگ آکر میں نے خدا پر بھروسہ کیا۔ دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اس کی طرف چلا۔ اور اس سے گلے ملا۔ اس کا مونھ اور سینہ تو گویا عطر سے مہک رہا تھا۔ گلے ملتے ہی اس نے مجھ سے کہا کہ اے صوفی! تیرے سینے سے تو محبتِ حق کی خوشبو آرہی ہے۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا [1]

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جماعت خانے میں دسترخوان بچھا ہی تھا کہ وہی درویش پھر آیا جو بدایوں سے دلّی آتے ہوئے راستے میں ملا تھا۔ سلام کیا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ اور کچھ اس طرح اٹھ کر چلا گیا کہ مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے دریافت کیا کہ وہ درویش کہاں چلا گیا۔ کھانا کھایا یا نہیں۔ تو حاضرین نے بتایا کہ اس نے چار روٹیاں لیں اور کاٹ کے پیالے میں شوربا لیا اور یہاں سے چلا گیا۔ مگر خانقاہ کے سامنے جو ٹیلہ ہے اس پر بیٹھ کر اس نے کھایا اور غائب ہو گیا [2]

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ کلاکھر [3] سے کچھ دوست ملاقات کے لیے آرہے تھے ان ہی

---

[1] : سیر الاولیاء صـ ۱۴۹ اچ

[2] : سیر الاولیاء صـ ۱۱۶ اچ

[3] : کلاکھر سے مراد چندیری ہے کیونکہ مولانا وجیہ الدین یوسف کلاکھری عرف چندیری (بقیہ صـ ۹۲ پر)

Marfat.com

میں ایک مولانا عمرؒ[۱] بھی تھے راستے میں وہی درویش انھیں ملا اور کہا: کہاں جاتے ہو، مولانا عمرؒ نے کہا: ہم فلاں شخص کی خدمت میں جارہے ہیں۔ اس نے کہا: بھلا اس مسکین کے پاس کیا دھرا ہے۔ اچھا لو۔ یہ بارہ جیتل لیتے جاؤ۔ اسے دے دینا۔ انھوں نے وہ بارہ جیتل مجھے لاکر دے دیئے۔ وہ دن اور آج کا دن پھر وہ درویش نظر نہیں آیا۔ مگر اسی دن سے فتوحات کی راہیں کھل گئیں اور تحفہ و تحائف آنے لگے[۲]۔

ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

رجوعِ خلائق

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مزاج میں کم آمیزی اور بے تعلقی بہت ہی زیادہ تھی اور بچپن ہی سے تھی چنانچہ آپ طالب علمی کے زمانے میں بھی اپنے ساتھیوں سے یہی فرماتے تھے کہ میں تو تھوڑے دنوں کے لیے تمہارا مہمان ہوں[۳] پھر تم کہاں اور میں کہاں۔

امیر خورد کرمانیؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قدیم دلّی میں رہنے کے زمانے میں آپ نے جو کئی مکان بدلے اس کا سبب بھی یہی تھا کہ آپ اپنے کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا

(بقیہ صہ ۹۱) لکھا ہے۔ (سیر الاولیا صہ ۲۸۲) اور مقبرہ ہمایوں سے جانب جنوب جو موضع ہے اس کا نام اس زمانے میں کیلوکھری تھا (سیر الاولیا صہ ۱۱۱) جسے اب تلوکری کہتے ہیں۔

۱؎ : مولانا عمرؒ کا مزار تو حضرت امیر خسروؒ کے احاطے میں ہے۔ اب لوح بھی لگا دی گئی ہے۔ مزید حالات کا علم نہیں۔ انھیں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے اقربا میں بتاتے ہیں۔ لیکن کتبِ قدیمہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی البتہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چندیری کے رہنے والے تھے۔

۲؎ : سیر الاولیا صہ ۱۱۶ پ ح

۳؎ : فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۴۲۔

چلتے تھے[1] اور یہ چاہتے تھے کہ آپ پورے اطمینان کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔

آخر کار آپ اشارۂ غیبی سے غیاث پور میں رہنے لگے۔ اور یادِ الٰہی بلکہ مشاہدۂ حق میں مشغول رہنے کے لیے آپ کو پورا اطمینان حاصل ہوگیا۔ لیکن زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ سلطان کیقباد[2] (۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء تا ۶۸۹ھ/۱۲۹۱ء) نے کیلوکھری کو پایۂ تخت بنایا اور بڑی خوبصورتی سے آباد کرایا۔ امرا اور رؤسا نے باغ لگوائے اور محلات تعمیر کرائے اور کیلوکھری کی سرزمین بہشت بریں کا نمونہ بن گئی۔ آبادی کی کثرت ہوئی تو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں بھی مخلوق بکثرت آنے جانے لگی۔ جس سے آپ کے اطمینان میں خلل پڑنے لگا۔ لہٰذا ایک دن آپ نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی کہ اب یہاں رہنا بھی ٹھیک نہیں کہیں اور ہی رہنا چاہیئے۔ آپ فرماتے

---

[1] : سیر الاولیاء ص ۱۱۱ ج

[2] : کیقباد سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں تخت نشین ہوا۔ دادا کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی لیکن بہت ہی نالائق نکلا۔ نوعمر و نوجوان تھا۔ بادشاہ بنتے ہی عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ باپ سے مقابلہ کرنے کے لیے بھی آمادہ ہوگیا اور لشکر کشی کی لیکن جنگ نہیں ہوئی بلکہ تصفیہ کرادیا گیا۔ عیش و عشرت کی بدولت نوجوانی ہی میں مفلوج ہوگیا تھا اور قریب المرگ تھا کہ بعض امرا نے اس کے چھوٹے بچے کو بادشاہ بنانا چاہا۔ اس پر اختلاف ہوا۔ اور اس اختلاف سے خلجی امیروں نے فائدہ اٹھایا۔ اور ایک شخص کو کیقباد کے قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ جس کے باپ کو کیقباد نے قتل کرادیا تھا۔ وہ حیلے بہانے سے محل میں گھسا اور مفلوج بادشاہ کو اسی کے بستر میں لپیٹ کر لاتوں اور گھونسوں سے اس قدر مارا کہ وہ مرگیا۔ اور اس کی لاش کو دریائے جمنا میں بہادیا۔ یہ واقعہ ۶۸۹ھ/۱۲۹۱ء میں پیش آیا اور بلبنی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے چھوٹے بچے کو جسے بادشاہ بنانا چاہتے تھے سلطان جلال الدین خلجی کے لڑکے اٹھا کر لے گئے۔ جب اس طرح میدان صاف ہوگیا تو خلجیوں نے جلال الدین خلجی کو بادشاہ مان لیا اور بعد میں سب اس سے متفق ہوگئے۔

Marfat.com

ہیں کہ میں اسی سوچ تھا کہ اسی دن عصر کے وقت ایک نوجوان آیا جو نہایت حسین وجمیل تھا لیکن لاغر اور کمزور بھی بہت ہی تھا۔ خدا ہی جانے کہ وہ مردانِ غیب میں سے تھا۔ یا کوئی اور تھا۔ خیر! اس نے آتے ہی یہ کہا ؂

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دلِ خلقے بہ در بود
درگوشہ نشستنت نہ می دارد سود

پھر یہ کہا کہ اوّل تو مشہور ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ لیکن جب مشہور ہی ہو گئے تو پھر اتنا مشہور ہونا چاہیئے کہ کل قیامت کے دن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے پھر اس نے یہ بھی کہا کہ سبحان اللہ! یہ بھی کوئی حوصلہ ہے مخلوق سے مونھ چھپانا اور یادِ حق میں مشغول رہنا۔ حوصلہ تو یہ ہے کہ آدمی مشغول بحق بھی رہے اور مخلوق سے بھی مونھ نہ چھپائے۔

جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو میں نے کچھ کھانا پیش کیا لیکن اس نے چھوا تک نہیں کھانا تو کیسا جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو میں نے بھی یہ تہیہ کر لیا کہ اب کہیں نہیں جاؤں گا، بلکہ یہیں رہوں گا یعنی مشغول بحق بھی رہوں گا اور مخلوق کی حاجت روائی سے بھی مُنہ نہ موڑوں گا۔ میرے یہ سوچتے ہی اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[1]

میں یہ لکھ ہی رہا تھا کہ میرے دل نے مجھ سے یہ کہا کہ میں یہ لکھ ہی دوں کہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے جو کچھ فرمایا وہ رمز و کنایہ ہے۔ ورنہ حقیقتِ حال پوشیدہ نہیں کہ وہ انسانی پیکر میں خود دینِ اسلام تھا کہ دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جو اوصاف درکار ہیں۔ آپ ان سب سے مالا مال ہیں۔ لہٰذا آپ کیلئے اب یہ زیبا نہیں کہ آپ مخلوق سے پچھے رہیں بلکہ ضرورت اس

---

[1] سیر الاولیاء صد ۱۱۱ ج

Marfat.com

بات کی ہے کہ آپ مشغول بحق بھی رہیں۔ اور مخلوق کی حاجت روائی کے ساتھ ہی ساتھ احکام الٰہی کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ اور بھولی بھٹکی مخلوق کو ہدایت کی راہ دکھائیں۔ تاکہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو سرخ روئی حاصل ہو۔ چنانچہ آپ نے وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا حتیٰ کہ آپ سراپا ہدایت بن کر مخلوق کے دل میں سما گئے اور آپ کی برکت سے ہدایت کے سرچشمے پھوٹ نکلے اور خدائی نور سے سرزمین جگمگا اٹھی۔

اس کے بعد آپ نے مخلوق کے لیے دروازہ کھول دیا۔ امیر غریب چھوٹے بڑے سب ہی آنے جانے اور آپ کی خدمت سے سعادت حاصل کرنے لگے۔ امیروں اور شہزادوں کا تو ذکر ہی کیا۔ بادشاہ تک حاضر باشی کے متمنی ہوئے۔ چنانچہ سلطان جلال الدین خلجی نے کئی بار حاضر ہونا چاہا۔ مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا اور اجازت نہیں دی۔ ناچار اس نے خفیہ طور سے حاضری کا ارادہ کیا لیکن آپ اشارہ پاتے ہی اجودھن (پاکپٹن) تشریف لے گئے۔ اور ملاقات کا موقع نہیں دیا[1]

سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء تا ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء) نہایت جابر اور اولوالعزم بادشاہ تھا لیکن آستانہ بوسی کا آرزومند رہتا تھا اس نے بھی حاضر خدمت ہونے کے لیے اجازت چاہی لیکن آپ رضامند نہیں ہوتے اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقیر غائبانہ دعا میں مشغول ہے اور غائبانہ دعا قبولیت کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اس نے دوبارہ درخواست کی تو آپ نے جواب دیا کہ فقیر کے مکان کے دو دروازے ہیں۔ اگر ایک سے بادشاہ آئے گا تو دوسرے سے فقیر نکل جائے گا۔[2] ایک جابر بادشاہ کو یہ جواب دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اسی کا کام ہو سکتا ہے جو اللہ پہ کامل بھروسہ رکھتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ہو۔

---

[1] [2]: سیر الاولیا صہ ۱۳۵ ، ۲۰۱

Marfat.com

تبلیغ

تبلیغ ہے خدائے تعالیٰ کا پیغام بندوں کو پہنچانا اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لگانا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اور یہی ان کی مبارک زندگی کا اصل مقصد و مدعا تھا اور یہی ان کا مقدّم اور اولین کام تھا۔ چنانچہ منصبِ نبوت پر فائز ہوتے ہی نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبلیغ کے کام کا آغاز فرما دیا تھا۔ اور مکّی زندگی ہی میں واقعہ معراج کے بعد آپ نے ان قبائل میں تبلیغ شروع کر دی تھی جو حج کے زمانے میں مکّہ معظمہ آیا کرتے تھے[1]۔

سب سے پہلے ایک بزرگ نے اسلام قبول فرمایا۔ جن کا نام معاذؓ تھا اور جو یثرب[2] (مدینہ منورہ) کے رہنے والے تھے۔ دوسرے سال پھر کوئی بارہ بزرگ حج کے زمانے میں یثرب سے آئے۔ آپ ان سے ملے تو انھوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ اور آپ سے بیعت ہوئے اور آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو امیر جماعت بنا کر ان کے ساتھ کیا۔ اور انھوں نے یثرب میں تبلیغ کا کام خوب کیا۔ چنانچہ اس کام کی برکت سے تیسری دفعہ قبیلۂ اوس اور قبیلہ خزرج کے ستّر آدمی حج کے زمانے میں مکہ معظمہ آئے۔ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کو بھی پیامِ حق سنایا اور یہ سب بھی مسلمان ہو گئے اور نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

---

[1]: قرۃ العیون جلد ۲ صہ ۴

[2]: مدینہ منورہ کو پہلے یثرب ہی کہتے تھے۔ مدینہ کے معنی ہیں، شہر۔ جب نبی کریم صلعم وہاں تشریف لے گئے تو مدینۃ الرسول کے نام سے شہرت پائی۔ اور پھر مدینہ منورہ کہنے لگے۔

Marfat.com

مدنی زندگی میں جماعتوں کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی۔ اور تبلیغ کا مبارک کام سرگرمی سے انجام پانے لگا۔ اسی زمانے میں نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں کے نام تبلیغی فرامین بھی جاری کئے اور تبلیغ کے لیے جماعتیں بھی بھیجیں۔ جماعتیں دراصل پیکر عمل ہوتی ہیں اپنے پیغام کے لیے جو پیغام دیتی ہیں۔ اس پر عمل کر کے بھی دکھاتی ہیں۔ جس سے پیغام کا مقصد کھل جاتا ہے اور دیکھنے والوں کی سمجھ میں آسانی سے آجاتا ہے اور لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا جنھیں ازلی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ وہ اس پیغام کو آسانی سے سمجھ لیتے اور قبول کر لیتے ہیں۔

تبلیغ کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ ان کو پیغام حق پہنچا دیا جائے جو وحدانیت کے قائل نہیں ہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی سیرت پاک محمد الرسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے سانچے میں ڈھل جائے اور ایسی پختگی آجائے کہ ایک قدم بھی اس کے خلاف نہ اٹھ سکے۔ لہٰذا تبلیغ ان کے لیے بھی ہے جو توحید سے آگاہ نہیں اور ان کے لیے بھی ہے جو توحید سے آگاہ ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں لیکن خدائی احکام سے پوری طرح واقف نہیں یا واقف تو ہیں مگر توفیقِ عمل نصیب نہیں ان ہی میں تبلیغ مقدم بھی ہے اور سہل بھی ہے کیونکہ قربت اور انسیت کی بنا پر یہ جلد تر سیرت پاک محمد الرسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ بن سکتے ہیں۔ اور پھر ایک چراغ سے کئی کئی چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ اور تبلیغ کا اصل منشا پورا ہو سکتا ہے اور سارے بھولے بھٹکے راہ راست پر آسکتے ہیں۔

اولیا اللہ (رحمھم اللہ تعالیٰ) عالم باعمل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصلی جانشین ہوتے ہیں۔ فَاِنَّ الشَّیْخَ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ[۱]۔ ان کی مبارک زندگی کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کو نبئ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے سانچے

---

[۱]: شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسا نبی اپنی امت میں۔

میں پوری پوری طرح ڈھالیں اور سیرت پاک محمد الرسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری اتباع کریں۔ اسی لیے وہ اپنے کو اصلاحِ نفس، گوشہ نشینی اور مجاہدات کی بھٹی میں تپاتے اور نکھارتے ہیں۔ اسی سے انھیں وہبی نفوذ حاصل ہوتا ہے۔ باطنی نسبت پروان پڑھتی ہے اور توجہ[1] کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جن سے تبلیغ

---

[1] : توجہ کی دو اصطلاحیں ہیں :

(۱) توجہ ڈالنا

(۲) توجہ لینا

(۱) توجہ ڈالنا : شیخ دل و دماغ کی یکسوئی کے ساتھ کسی کی طرف متوجہ ہو اور یہ تصوّر کرے کہ جس کی طرف وہ متوجہ ہے۔ اس کے دل پر ضرب لگا رہا ہے اور اس کے دل کی سیاہی کو صاف کر رہا ہے یا باطنی کمالات سے نواز رہا ہے یا عبادت میں لذت وکیف کا وصف پیدا کر رہا ہے اور یہ اوصاف نورانی صورت میں کسی کو پہنچ رہے ہیں۔ اور وہ قبول کر رہا ہے۔

توجہ ڈالنے کے لیے دو زانوں قبلہ رو بیٹھنا مفید ہے۔ اور جب غائبانہ توجہ ڈالی جاتی ہے۔ تو جس پر توجہ ڈالی جاتی ہے۔ اس کے سامنے اور پاس ہونے کی بھی کچھ قید نہیں ہے اور غائبانہ توجہ ڈالنا توجہ کا کمال ہے اور توجہ ہیبت کی قید کے بغیر بھی ڈالی جاسکتی ہے لیکن مشق کا کمال درکار ہوتا ہے۔

(۲) توجہ لینا : توجہ لینے والا دو زانو بیٹھے۔ اور اسم ذات یعنی لفظ اللہ کا تصور کرے گویا کہ یہ لفظ نورانی صورت میں اس کے دل میں ہے اور اپنی نورانیت سے دل کو منور کر رہا ہے۔ اور یہ بھی سمجھے کہ اس کا دل شیخ سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور یہ اس کی نورانیت اور لذتِ عبادت ومحبت سے مالا مال ہو گیا ہے اور عیوب رفع ہو گئے ہیں سیاہی دھل گئی ہے اور نورانیت وکیف کا عالم اس پر طاری ہو گیا ہے۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس کے سامنے بیٹھ کر اس سے توجہ لینی چاہیئے۔

(اصول درویشی صہ ۱۲۴)

Marfat.com

کا عمل کارگر ہوتا ہے۔ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر ان ہی اوصاف سے کام لیا ہے اور کامیابی نے ان کے قدم چومے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کی مبارک زندگی کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بے چھپی نہیں رہتی کہ آپ کی مبارک زندگی سراپا تبلیغ و ہدایت تھی۔ قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر ایک اچھی خاصی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس مختصر کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں اس لیے اشارۃً دو چار واقعات کی صرف نشان دہی کی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں:

راجکمار ہردیو جو احمد ایاز کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور عہدِ تغلق میں امیر تعمیرات اور وزیر اعظم ہند تھے، آپ ہی کی برکت سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور دین سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کا یہ عمل متعدی تھا۔ چنانچہ امیر حسن علا سنجریؒ لکھتے ہیں کہ آپ کا ایک نومسلم عقیدت مند اپنے بھائی کو ساتھ لایا۔ آپ نے دریافت فرمایا: اسے بھی اسلام سے کچھ رغبت ہے یا نہیں۔ اس نے عرض کیا: میں اسی لیے ساتھ لے کر حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی برکت سے یہ بھی اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ آپ نے چشم پُرآب ہو کر فرمایا کہ یہ قوم نہایت ہی سخت دل ہے کہنے کا تو اس پر بہت ہی کم اثر ہوتا ہے البتہ اگر نیک صحبت نصیب ہو جائے تو پھر کام بن جاتا ہے[1]

غیر مسلموں کے مسلمان ہونے کے علاوہ فسق و فجور میں مبتلا مسلمان تو بکثرت آپ کی برکت سے بلکہ آپ کی کیمیا اثر نگاہ کی برکت سے تائب ہوئے اور خاصانِ خدا میں شمار ہونے لگے۔ چنانچہ امیر حسن علا سنجریؒ کا واقعہ ہے کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا اور رنگین مزاج آدمی تھے۔ اور نشے میں چور رہتے تھے۔ ایک دن حضرت محبوب الٰہیؒ خواجہ قطب الدین

---

[1] فوائد الفواد جلد ۴ صد ۱۸۲

Marfat.com

بختیار کاکیؒ کے مزار پُرانوار پر حاضری دینے کے بعد شمسی تالاب[1] کی طرف تشریف لے گئے وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ امیر حسن علاء سنجریؒ تالاب کے کنارے یاران طریقت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور شراب کے نشے میں دھت ہیں اور آپ کو دیکھتے ہی انھوں نے یہ دو شعر پڑھے ؂

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتم
گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہدِ تو فسق از دلِ ما کم نہ کرد
فسقِ مایاں بہتر از زہدِ شماست[2]

آپ نے فوراً ہی فرمایا: صحبت میں تو اثر بہت ہے۔ یہ سنتے ہی امیر حسن علا سنجریؒ کے دل پر اثر ہوا۔ وہ ننگے ہی سر دوڑے آئے اور سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ توبہ کی اور مرید ہو گئے۔ جب ان کے ساتھیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی متاثر ہوئے۔ اور توبہ کر کے آپ کے مرید ہو گئے۔[3]

بہت سے بندگانِ خدا ایسے بھی تھے جو عالم و فاضل ہونے کے باوجود آپ کے مخالف تھے اور آپ کے مریدوں اور معتقدوں کے سامنے تمسخر آمیز کلمات کہا کرتے تھے۔

---

۱ : شمسی تالاب قطب مینار دلی سے جنوب مغرب میں کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہے یہ تالاب شمس الدین التمش (۶۰۷ھ / ۱۲۱۱ء تا ۶۳۳ھ / ۱۲۳۰ء) نے ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء میں بنوایا تھا۔ اس کا رقبہ کوئی تین سو بیگھے تھا اور چاروں طرف سُرخ پتھر کی سیڑھیاں تھیں اب ٹوٹ پھوٹ کر تھوڑا سا رہ گیا ہے۔ اس کے اردگرد مشہور مشہور اولیاء اللہ کے مزارات اور اس کے مشرق میں اولیا مسجد ہے۔

۲ : تاریخ نظامی ص ۸۲، ۸۳۔ پہلے شعر میں تحریف ہے۔ اور دوسرا ناموزوں ہے۔

۳ : سیر العارفین ص ۸۷۔

Marfat.com

لیکن جب انھیں آپ کے ارادت مندوں کی کوشش سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تو آپ کی مختصر سی تقریر سنتے ہی بندہ بے دام بن گئے۔ اور ایسے معتقد ہوئے کہ پھر ساری عمر آپ ہی کی خدمت میں گزار دی۔ مولانا فخر الدین زرادیؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ اور مولانا صدر الدین ناولیؒ ایسے ہی بزرگوں میں سے ہیں جنھیں آپ سے اختلاف تھا لیکن انجام کار مرید و معتقد ہوتے اور منصبِ خلافت کو پہنچے اور خاصانِ خدا میں شمار ہوئے۔[1]

یہ تو عملی زندگی کا ایک ہلکا سا خاکہ ہے اس کے علاوہ آپ کی تقریروں میں بھی وہ سب کچھ ہے جو تبلیغ کے لیے درکار ہے۔ تبلیغ میں بھی بات چیت اور گفت گو سے کام لیا جاتا ہے لیکن تبلیغی گفت گو میں اور عام بات چیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تبلیغی گفتگو میں اگر توجہ[2] اور نسبت کا غلبہ نہ ہو اور عمل کی خراد پر سڈول ہونے کے بعد دل سے بات نہ نکلے۔ تو وہ کارگر نہیں ہوتی۔ اور خاک میں بھی اس کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ نے بارہا اس حقیقت کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے اور نئے نئے اسلوب میں اس گُر سے آگاہ فرمایا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

"نصیحت زبانِ قال سے نہیں زبانِ حال سے مؤثر ہوتی ہے[3]"

اور زبانِ حال سے مراد وہ گفتگو ہے جس میں حسنِ عمل کی تاثیر اور نسبت و توجہ کا غلبہ پوری شدت سے شامل ہو۔

آپ نے فرمایا:

---

[1]: سیر الاولیا صد ۲۶۲ صد ۲۲۳ ج

[2]: ایضاً

[3]: فوائد الفواد جلد ۴ صد ۱۹۰

جو بات کوئی صاحبِ نفوذ تلقین کرتا ہے تو اس پر عمل کرنے سے عجب لذّت نصیب ہوتی ہے [۱]

بلکہ توفیق عمل بھی نصیب ہوتی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

جس کا معاملہ درست نہیں اس کے کلام میں اثر نہیں ہوتا [۲]

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

جو بھی مقاماتِ اعلیٰ پر پہنچا ہے حسن عمل ہی کی برکت سے پہنچا ہے اور اگرچہ فیضِ ایزدی شامل حال رہتا ہے لیکن خود بھی کوشش واجتہاد سے کام لینا چاہیئے [۳]

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

جس لباس میں بھی ہو سکے راہِ حق میں آجانا چاہیئے آخر کار کام بن ہی جاتا ہے [۴]

آپ یہ بھی فرماتے تھے:

صحابہ کرامؓ علم حاصل کرنے اور شریعت کے احکام سیکھنے کے لیے نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جب سیکھ کر

---

[۱]: فوائد الفواد جلد ۱ صہ ۱۳

[۲]: فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۷۶

[۳]: فوائد الفواد جلد ۱ صہ ۷

[۴]: فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۱۳۳

[۵]: فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۲۰۰

Marfat.com

واپس جاتے تو جو کچھ وہ سیکھتے اس سے دوسروں کی راہ نمائی کرتے یعنی انھیں بھی سکھاتے تھے ۔[1]

آپ یہ بھی فرماتے تھے :

عبادت کی دو قسمیں ہیں : ایک لازم دوسری متعدی ۔

لازم یہ ہے کہ اس کا فائدہ کرنے والے ہی کے لیے ہو جیسے نماز ہے، روزہ ہے حج ہے ۔ درود و وظائف ہیں، تسبیحات ہیں ۔

اور متعدی یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے ۔ بندگانِ خدا کے ساتھ انسانی ہمدردی کا سلوک روا رکھا جائے ۔ اڑے وقت میں مدد کی جائے اور مہربانی سے پیش آیا جائے ۔ اس کا ثواب بے حد اور بے انتہا ہے ۔

لازمی عبادت کے لیے خلوص بھی درکار ہے ۔ جب ہی وہ مقبول ہوتی ہے لیکن متعدی عبادت ہر طرح مقبول ہوتی ہے اور کرنے والے کو ثواب ملتا ہے ۔[2]

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے :

علما جو دعوت (تبلیغ وعمل) زبان سے دیتے ہیں مشائخ وہی دعوت عمل سے دیتے ہیں ۔[3]

اور عمل سے دعوت دینے کا مدعا یہ ہے کہ وہ مخاطب کو توجہ اور نسبت کے غلبے کے اثر سے متاثر کرتے ہیں اور توجہ و نسبت کو مجاہدے اور ریاضت سے تقویت بخشتے ہیں ۔ اور اس عمل کی ہدایت آپ نے وصال کے بعد بھی عالم رویا میں فرمائی ہے ۔ چنانچہ شیخ عزیز الدین نامی

---

۱ : فوائد الفواد جلد ۴ صہ ۲۰۰

۲ : فوائد الفواد جلد ۱ صہ ۱۴

۳ : سیر الاولیاء صہ ۳۲۱ ج ۔

Marfat.com

ایک بزرگ آپ کے ارادتمندوں میں تھے جو عزیز الملۃ والدین کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے وصال کے بعد آپ کے جماعت خانے میں امامت فرمایا کرتے تھے اور حاضرین سے بیعت توبہ لیا کرتے تھے[۱،۲] ایک رات آپ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ دریافت فرماتے ہیں: تم روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو رکھا کروں۔ آپ نے فرمایا: روزۂ دل بدار (دل کا روزہ رکھا کرو) یہ خواب انھوں نے مخدوم نصیر الدین چراغ دلیؒ کو سنایا اور دریافت فرمایا کہ روزۂ دل سے کیا مراد ہے مخدوم نے فرمایا کہ تمھیں مراقبے کا حکم دیا ہے[۳] اور یہ ظاہر ہے کہ مراقبے[۴] سے توجہ اور نسبت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور بندگانِ خدا کو توبہ کے لیے آمادہ کرنے اور اس پر قائم رکھنے

لہ : سیر الاولیا صد ۱۸۱ پ ح

سلہ : امیر خوردؒ نے ان کا ذکر حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے اقربا میں کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ رشتہ داری کیا تھی پھر اقربا میں خواجہ رفیع الدین ہارون کا ذکر سب سے پہلے ہے اور رشتہ بھی بتایا ہے کہ وہ پسرِ خواہر زادہ حقیقی تھے۔ مگر ان کا ذکر آخر میں بھی ہے اور رشتہ بھی نہیں بتایا ہے۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ کچھ ایسی دور دراز کی رشتہ داری تھی جیسے سمدھیانے کی ہوتی ہے کہ اس میں دور کے تعلق کی بنا پر کوئی رشتہ قائم نہیں کیا جاتا ورنہ اگر کوئی حقیقی رشتہ ہوتا تو جس طرح خواجہ ہارونؒ کے رشتے کا ذکر کیا ہے ان کے رشتے کا بھی ذکر کر دیتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی جدّی یا قریب کا رشتہ نہیں تھا۔

سلہ : سیر الاولیا صد ۱۸۱ پ ح۔ ذکر خفی مراقبے سے ستر مرتبہ بلند ہے۔ (سیر الاولیا صد ۴۴۷ پ ح) دل کے اوپر کے دروازے تو ذکر جہر سے کھلتے ہیں اور دل کے نیچے کے دروازے ذکر خفی سے کھلتے ہیں۔ (القول الجمیل صد ۵۲)

سلہ : تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی ذات یا صفات یا اسم اعظم (اللہ) کے تصور میں محو رہنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

کے لیے اس قوت کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے حضرت عبدالاحد وحدتؒ فرماتے ہیں کہ میں اوائل حال میں بندگانِ خدا اور طالبانِ حق کو توبۃ النصوح کی تلقین کیا کرتا تھا۔ اس میں مجھے بہت ہی شغف تھا۔ ایک رات خواب میں میرے شیخ محترم نے فرمایا کہ توبہ کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو اس طرح متاثر کیا جائے کہ باطنی نسبت کا پورا پورا غلبہ ہو جائے۔ جب یہ کیفیت ہوگی تو وہ خود بخود تائب ہو جائے گا۔ اس دن سے میں نے توبۃ النصوح کی تاکید کرنے سے پرہیز کر لیا[1] اور نسبت و توجہ سے کام لینے لگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مختصر سی معلومات جو یہاں فراہم کی گئی ہیں۔ عشرِ عشیر بھی نہیں ہے لیکن اسی سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ تبلیغ کی جانب آپ کی خاص توجہ تھی۔ آپ اس کو متعدی عبادت تصوّر کرتے تھے جس میں ہر طرح ثواب ملتا ہے چاہے اخلاص ہو یا نہ ہو۔ آپ اس کی عظمت و اہمیت سے خوب آشنا تھے۔ اور اس کام کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اس میں آپ کو خصوصی تجربہ بھی تھا۔

غیر مسلموں پر بھی نظر رہتی تھی۔ اور ان کے مزاج و طینت سے بھی آپ آگاہ تھے اور اس سے بھی واقف تھے کہ کس طرح کس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کے حال پر بھی نظر تھی اور توجہ اور نسبت کے غلبے سے کام لینے میں کمال حاصل تھا۔ ذرا سی توجہ سے کٹر سے کٹر کو اپنا بنا لیتے اور رام کر لیا کرتے تھے۔ اور مریدین و معتقدین کو تبلیغ کے گر بھی تلقین فرماتے تھے اور وہ سب ان پر عمل کرتے تھے۔ اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ ہوا کہ رحمت کی ایک فضا بن گئی۔ اور ہر سمت سے اللہ کے نام کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

---

[1] : نفحات القدس قلمی ص ۲۰

تبلیغی سرگرمیاں

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے عہد کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر ملتا تو ہے لیکن جستہ جستہ اور متفرق بہرحال مشہور مورخ ضیاؔ برنیؒ نے جو کچھ چشم دید حالات لکھے ہیں۔ تبرکاً ان ہی کو یہاں پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنی بیعت و ارادت کا دروازہ سب ہی کے لیے کھول رکھا تھا اور آپ خود اپنے ارادے سے انھیں قبول فرماتے تھے[۱] اور خاص و عام، امیر و غریب، بادشاہ و فقیر، پڑھے لکھے اور ان پڑھ، شہری و دیہاتی، عالم و جاہل، شریف اور بازاری، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب ہی کو توبہ کراتے۔ مسواک و کلاہ دیتے اور خرقہ عطا فرماتے تھے لہٰذا اگروہ گروہ جو اپنے کو حضرت کا مرید سمجھتے تھے۔ برائیوں سے پوری پوری طرح پرہیز کرتے تھے اور شیخ کے مرید ہونے کی شرم سے کھلم کھلا برائیوں سے باز رہتے تھے۔ اور اگر کسی سے غلطی ہو جاتی تو وہ تجدید بیعت کرتا۔ اور خرقۂ توبہ سے سرفراز ہوتا تھا۔

عام آدمی تقلیداً اور اعتقاداً اطاعت و عبادت کی طرف مائل ہوتے

---

۱ : حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ضیاؔ برنی کے دریافت کرنے پر فرمایا چونکہ بندگان خدا مجھ سے بیعت ہونے کے بعد صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو جاتے ہیں اور نیک کاموں میں مشغول رہنے لگتے ہیں۔ اس لیے میں بیعت کرنے میں تکلف نہیں کرتا۔ (سیر الاولیا صہ ۳۴۶ ج)

۲ : تجدید بیعت سے خلل بھی رفع ہو جاتا ہے۔ اور جس مقام پر ہوتا ہے۔ اس میں پختگی بھی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ عروج کرنے کی استعداد نصیب ہوتی ہے۔

Marfat.com

رہتے تھے[1] عورت، مرد، بڈھے، جوان، بچے بالے اور نوکر چاکر سب ہی نماز روزے کے عادی ہو جاتے تھے۔ اور بیعت ہونے والے تو اکثر چاشت اور اشراق کی نماز کی پابندی کیا کرتے تھے۔ ہزار ہزار دو دو ہزار کوس سے چھوٹے بڑے بڈھے جوان، عالم اور جاہل سب ہی ملاقات کی آرزو میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض پاتے تھے۔

اکثر نیک بختوں نے غیاث پور تک جا بجا چبوترے بنوا دیئے تھے۔ چھپر ڈلوا دیئے تھے کنویں کھدوا دیئے تھے۔ بدھنیاں رکھوا دی تھیں اور پانی کے مٹکے بھی رکھوا دیئے تھے۔ بوریئے بچھوا دیئے تھے اور حافظ و خادم مقرر کر دیئے تھے تاکہ مرید ہونے والے، توبہ کرنے والے اور نکوکار جو بھی حضرت کے در دولت پر حاضر ہوں وہ آرام سے وضو کریں اور نماز کے وقت اطمینان سے نماز پڑھیں۔

چنانچہ چبوتروں میں اور چھپروں میں جو سر راہ تھے نفل نمازیں پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا بلکہ اکثر چاشت[2]، اشراق[3] اوابین[4] اور نماز زوال[5] کی

---

[1]: گویا کہ جماعتوں کی نقل و حرکت سے عام خلقت بھی متاثر ہوتی تھی اور مخلوق کو عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی تھی۔

[2]: نماز چاشت کو نماز ضحیٰ بھی کہتے ہیں۔ چاشت کا وقت دھوپ میں حرارت اور گرمی پیدا ہونے کے وقت سے دوپہر تک ہے۔ چاشت کی نماز چار رکعت بھی ہے اور بارہ رکعات بھی ہے۔

[3]: نماز اشراق سورج نکلنے کے بعد سے دھوپ میں گرمی پیدا ہونے تک اشراق کا وقت ہے اشراق کی نماز کم سے کم دو رکعات ورنہ چھ اور آٹھ بھی ہیں۔

[4]: نماز اوابین، مغرب کی نماز کے بعد ہی نماز اوابین کا وقت ہے۔ چار رکعات (بقیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

Marfat.com

رکعتوں کے متعلق گفتگو رہتی تھی۔ اور یہ باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں کہ کس کس رکعت میں کون کون سی صورتیں اور کون کون سی آیتیں پڑھنی چاہئیں۔ اور پنج وقتہ نمازوں کے بعد اور نفل نمازوں کے بعد کون کون سی دعائیں پڑھنی چاہئیں۔

غیاث پور آتے جاتے وقت اکثر نئے مرید حضرت کے پرانے مریدوں[1] سے یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ شیخ رات کو کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا کیا پڑھتے ہیں اور عشاء کے بعد کتنی بار درود شریف پڑھتے ہیں[2]۔ اور شیخ فرید اور شیخ بختیار[3] رات دن میں کتنی بار درود شریف پڑھا کرتے تھے اور

(بقیہ صفحہ ۱۰۷) چھ رکعات بارہ رکعات اور بیس رکعات ہیں جتنی بھی پڑھ سکے پڑھے۔ (غنیۃ الطالبین)

[4]: نماز زوال سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے نماز زوال کا وقت ہے۔ زوال کی نماز چار رکعات ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص ۵ بار یا ۱۰ بار یا ۳ بار پڑھنی چاہیئے۔

[1]: یہ اشارہ ہے اس طرف کہ آنے والوں کے ہمراہ پرانے مرید بھی ہوتے تھے جو منتظم اور امیر جماعت کی خدمات انجام دیتے تھے۔

[2]: حضرت محبوب الٰہی اپنے معمولات سے کسی کو آگاہ نہیں ہونے دیتے تھے تاہم اتنا علم میں آیا ہے کہ عشاء کے بعد آپ ہزار بار درود شریف اور ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ اور وہی درود شریف پڑھتے تھے جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پڑھتے تھے اور اس کے علاوہ بھی۔ نیز امام غزالیؒ کی جواہر القرآن ڈھائی پارہ اور حرز یمانی اور حرز کافی وغیرہ روزانہ پڑھتے تھے۔ (سیر الاولیا صہ ۳۸۳ پ ح)

[3]: خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہر شب کو ہزار بار یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِیِّكَ وَحَبِیْبِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ ط۔

(سیر الاولیا صہ ۳۸۳ پ ح)

Marfat.com

کتنی بار سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ اور روزوں کے متعلق اور نفلوں کے متعلق اور کم کھانے کے متعلق بھی دریافت کرتے رہتے تھے۔ اور کتنے ہی ایسے تھے جنھیں قرآن پاک یاد کرنے کا شوق ہوگیا تھا۔ اور نئے مرید پرانے مریدوں کی صحبت میں رہ کر دین سیکھتے رہتے تھے۔

پرانے مرید اکثر طاعت و عبادت ترک و تجرید میں مشغول رہتے۔ سلوک کی کتابیں پڑھتے اور مشائخ کے حالات و معاملات بیان کرتے رہتے گناہ گاری اور دنیاداری کی باتوں کا تو ذکر ہی کیا بلکہ وہ تو عیب و گناہ کی باتوں سے ایسا پرہیز کرتے تھے جیسے کوئی کفر سے پرہیز کرتا ہے۔

نیک کاموں کا اثر اس قدر چھا گیا تھا کہ بڑے بڑے شاہی منصب دار جو حضرت کے مرید تھے چاشت اور اشراق کی نمازیں پڑھتے اور ایام بیض[1] کے روزے رکھتے تھے۔ اور کوئی محلہ ایسا نہ تھا کہ جہاں مہینے بیس[2] دن میں صالحین کی مجلس نہ ہوتی ہو۔ اور سماع نہ ہوتا ہو اور گریہ و رقت سے کیف حاصل نہ کیا جاتا ہو۔

حضرت کے اکثر مرید تراویح کی نماز پڑھتے اور گھروں میں اور مسجدوں میں پورا پورا قرآن پاک سنتے تھے۔ اور جو زیادہ پختہ ہو گئے تھے۔ وہ جمعہ کی رات میں اور رمضان المبارک کی راتوں میں رات رات بھر جاگتے اور نمازیں پڑھتے رہتے تھے۔ اور بہت سے ایسے تھے جو دو تہائی رات اور تہائی رات اور چوتھائی رات ہمیشہ ہی جاگتے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور بعض بزرگ تو

ؔ[1]: ایام بیض کے روزوں سے مراد ہے ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵، کو روزہ رکھنا۔

ؔ[2]: آپ کے ہاں نماز تراویح میں صرف سورۃ اخلاص پڑھی جاتی تھی۔ (سیر الاولیا صد ۳۸۶ پ)

عشائ کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت کے بعض مرید جنھیں میں خوب جانتا ہوں حضرت کی توجہ کی برکت سے صاحبِ کشف و کرامت ہو گئے تھے۔ غرض کہ شیخ کی برکت سے اور شیخ کے ارشادات کی برکت سے اور شیخ کی مقبول دعاؤں کی برکت سے خواص و عوام کے دل نیکی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اور اکثر مسلمان عبادت و ریاضت اور ترک و تجرید کے اعمال میں مشغول رہتے تھے نیز وہ حضرات جو شیخ سے وابستہ تھے طریقت اور سلوک کی کتابوں کے مطالعہ میں لگے رہتے تھے اور کتاب قوۃ القلوب، احیا العلوم، ترجمہ احیائ العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوب عین القضاۃ، لوائح اور لوامع قاضی حمید الدین ناگوری اور فوائد الفواد (ملفوظات شیخ) کے بکثرت خریدار پیدا ہو گئے تھے۔

رات دن خلقت کی آمد و رفت رہتی تھی۔ مرید ہوتے تھے۔ اور کوئی بھی ایسا نظر نہ آتا تھا جس کے صافہ میں مسواک اور کنگھی نہ ہو۔ اور یہ بات بھی مشہور تھی کہ عہد علائی میں جو بھی خیر و برکت تھی اور جو بھی فتح و نصرت نصیب ہوئی اور جتنا بھی احکام شریعت و طریقت کو فروغ ہوا۔ وہ سب شیخ الاسلام نظام الدین غیاث پوری ہی کی برکت سے ہوا جو ایک عالم کے مقتدا قطبِ وقت اور غوث زمانہ ہیں۔

غلہ نہایت ارزاں تھا۔ اشیائ کے نرخ مقرر تھے۔ عام ضرورت کی چیزوں کی قیمتیں کم تھیں۔ امیروں کی مطلوبہ چیزوں کی قیمتیں زیادہ اور کیا مجال کہ کوئی کم و بیش کر سکے۔ عبادت گاہیں[1] بکثرت تعمیر ہو گئی تھیں۔ ملک میں امن و امان تھا اور

---

[1]: مسجد بیگم پور اور مسجد کھڑکی کو فیروز شاہ کے وزیر خان جہاں کے نام سے منسوب کرنا صحیح نہیں۔ (دلی کی ۲ سو برس کی تاریخ (برنی ص ۴۵)

قافلے امن وامان کے ساتھ نقل وحرکت کرتے رہتے تھے۔ فسق وفجور اور گناہ کے کاموں سے دل بیزار ہو چکے تھے۔ دلّی کے گردونواح میں شراب وشاہد کا تو نام ونشان بھی نہیں رہا تھا۔

سلطان علاء الدین خلجی دل سے حضرت کا معتقد اور مخلص تھا اور اس کے اہل خانہ بھی آپ کے معتقد تھے اور اس نے اپنے دونوں لڑکوں شادی خاں اور خضر خاں کو حضرتؒ کا مرید کرادیا تھا۔ اور خود بھی مشکلات کے وقت حضرتؒ سے استمداد کا خواہاں ہوتا تھا اور اس نے کبھی حضرت کے متعلق ایسی بات زبان سے نہیں نکالی جو حضرتؒ کے شایانِ شان نہ ہو[1]

غرض کہ حضرت محبوب الٰہی کی تبلیغی سرگرمیوں کا یہ عالم تھا کہ گوشے گوشے سے اللہ کے نام کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں جو عرس کی مجلسیں ہوتی تھیں وہ آج جیسی نہیں ہوتی تھیں اور یہ جو اجمیر شریف کو چھڑیاں جاتی ہیں ان کا بھی یہ رنگ نہیں تھا، جو آج ہے۔ بلکہ اصل مقصد ان کاموں کا یہ تھا کہ خدا کے نیک بندے دینی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے سفر کریں۔ اور ان کی نقل وحرکت کی برکت سے جو بستیاں راستے میں پڑیں۔ وہ بھی متاثر ہوتی رہیں۔ اور دین کا اور دینی اعمال کا عام رواج ہو جائے۔

اس زمانے کے حالات کے مطابق سفر جماعتی شکل ہی میں کیے جاتے تھے، الگ الگ کوئی سفر نہیں کرتا تھا۔ اس لیے جماعتی تشکیل کی صورتیں خود بخود مہیا ہو جاتی تھیں لیکن ان کے علاوہ تبلیغی مقصد کے پیش نظر جماعتیں بھی بھیجی جاتی تھیں اور تبلیغی کام کے لیے علاقے بھی مقرر تھے۔ جنھیں اس زمانے میں ولایت کہتے تھے۔ آج کل انھیں مرکز

---

[1] یہ جملہ معلومات تاریخ فیروز شاہی برنی (فارسی مطبوعہ کلکتہ ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے صفحات ۳۲۵، ۳۳۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۵۶، ۳۶۶ سے فراہم کی گئی ہیں۔

Marfat.com

کہتے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کی بھیجی ہوئی جماعتوں میں تاریخی اور یادگار جماعتیں وہ ہیں جو مولانا منتخب الدین زری زر بخشؒ اور مولانا برہان الدین غریبؒ کی سرکردگی میں دکن بھیجی گئی تھیں جن میں سے پہلی سات سو[1] پر اور دوسری چار سو[2] مریدوں پر مشتمل تھی اور اسی میں خواجہ گیسو دراز[3] سید محمد حسینی کے والد سید یوسف بھی تھے اور خواجہ گیسو درازؒ بھی تھے اور اس وقت ان کی عمر چار پانچ سال کی تھی اور خواجہ گیسو دراز کی والدہ محترمہ بھی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی جماعتوں کی نقل و حرکت کا سراغ ملتا ہے۔ نیز وہ صاحب خدمت بھی تھے جو شیخ کے حکم سے مختلف مقامات[4] پر مقرر تھے اور شیخ کی قائم مقامی کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اور اگرچہ روزانہ ہی آمد و رفت کی کثرت رہتی تھی۔ اور دور نزدیک سے معتقدین حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ لیکن سال میں ایک بار بہت ہی بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا کہ ۵ محرم کو حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ[5] میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا عرس ہوتا تھا اور اس اجتماع میں ہندوستان بھر

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۴۰

[2] کیفیہ صفحہ ۳۹، ۴۰ بحوالہ دیباچہ معراج العاشقین صفحہ ۲۰۱۔

[3] ابو الفتاح صدر الدین سید محمد حسینی جو خواجہ گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دلیؒ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ شیخ کی وفات کے بعد دکن تشریف لے گئے۔ ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ / ۱۴۲۱ء میں وصال ہوا۔ مزار پر انوار گلبرگہ میں ہے۔

[4] مولانا جمالی نے لکھا ہے: حضرت محبوب الٰہیؒ نے مولانا اخی سراج کو بنگال کے لیے اور شیخ یعقوب کو گجرات کے لیے اور مولانا برہان الدین غریبؒ کو دکن کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ (سیر العارفین صفحہ ۹۱، ۹۰)

[5] خانقاہ شریف میں جو مقبرہ ہمایوں کے متصل ہے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا عرس تو اب بھی کیا جاتا ہے لیکن دس بیس آدمیوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔

Marfat.com

سے اولیاء اللہ، مشائخ، علماء اور معتقدین و مرید آتے تھے۔ ضیاء برنی کا بیان ہے کہ دور دراز سے آنے والوں کی اتنی کثرت ہوئی تھی کہ نہ کبھی سنی اور نہ کبھی دیکھی اور یہ سب حضرت محبوب الٰہیؒ کی صحبت سے فیض پاتے اور ہدایت حاصل کرتے تھے اور یہ کیفیت ہوتی کہ بلا مبالغہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہدایت کا تو گویا آپ ہی پر خاتمہ ہو گیا ہے ؎

زیں فن مطلب بلند نامی
کہ ختم شدہ است بر نظامی[1]

الغرض یہ حالات تھے حضرت محبوب الٰہیؒ کی تبلیغی سرگرمیوں کے۔ ان کے ذکر ہی میں وہ لذت ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہدایت کے نور کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اور زمین اپنے رب کی جوت سے جگمگا اٹھی ہے۔ سبحان اللہ! کیا کیف کا عالم تھا۔ لیکن وہ مقدس مقامات جو تبلیغ اور دینی فروغ کے مرکز تھے۔ آج نہ پوچھیے کہ ان کی حالت کیا ہے، وہ زبانِ حال سے گویا خاقانی کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

ما بارگہ دادیم ایں رفت ستم برما
بر قصر ستمگاراں آیا چہ رود خذلان

حاسدانہ سازشیں

حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں شہزادے امراء اور بڑے بڑے منصب دار بھی حاضر ہوتے تھے۔ اور علماء و مشائخ بھی غرض کہ رات دن ایک ہجوم رہتا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ بادشاہ تک حاضری کے آرزومند رہتے تھے۔ چنانچہ سلطان جلال الدین خلجی نے حاضرِ خدمت ہونا چاہا لیکن آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ اس مقبولیت سے حاسدوں کے

---

[1] یہ شعر بھی ضیا برنی ہی نے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

دل میں حسد کا کانٹا کھٹکنے لگا اور وہ درپئے آزار رہنے لگے اور یہ کوشش کرنے لگے کہ جس طرح بھی بن پڑے۔ ایسا کیا جائے کہ آپ کی یہ عزت و مقبولیت نہ رہے اور ہمارے ہی جیسے ہو جائیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے سب سے پہلے سلطان علاء الدین خلجی کو ابھارنے کی کوشش کی اور یہ کہہ کہہ کر ورغلایا کہ مولانا نظام الدین ایک عالم کے مقتدا بنے بیٹھے ہیں اور اکثر منصب دار اور علماء و مشائخ اور بکثرت عوام ان کے معتقد ہیں۔ اور کوئی بھی ایسا نہیں جو ان کے در کی خاک کو سرمۂ چشم نہ سمجھتا ہو ان کا دستر خوان بھی بہشتی دستر خوان ہوتا ہے جس پر طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کے کھانے ہوتے ہیں اور اس مقبولیت سے یہ اندیشہ ہے کہ مبادا سلطنت میں کوئی خلل واقع ہو۔ کیونکہ بعض بادشاہوں کی سلطنت میں ایسے ہی حالات ہی سے انقلاب آیا ہے۔

الغرض جب اس طرح خوب کان بھر دیتے گئے تو سلطان علاء الدین خلجی[۱] نے بھی

---

[۱] سلطان علاءُ الدین خلجی ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء میں سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کرانے کے بعد تخت نشین ہوا۔ کوئی پچیس برس بڑے دبدبے سے حکومت کی۔ بڑا ہی خوش نصیب بادشاہ تھا۔ کبھی کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود ملکی انتظام کا بڑا سلیقہ تھا۔ بنگال سے گجرات تک اور پنجاب سے دکن تک پورے ملک میں امن و امان تھا۔ تاتاریوں کو اتنی سخت شکست دی کہ پھر انھوں نے ہندوستان کی طرف رُخ نہیں کیا۔ رشوت ستانی اور شراب نوشی کا نام و نشان تک بھی نہیں رہا تھا۔ اشیاء کی قیمتیں مقرر تھیں جن کے خلاف خرید و فروخت کی کسی کو بھی مجال نہ تھی۔ عام ضرورت کی چیزیں سستی اور امیروں کے استعمال کی چیزیں مہنگی تھیں۔ رعایا خوشحال تھی اور ہر طرف نکوکاری کا غلغلہ تھا۔ ۷۱۵ھ / ۱۳۱۵ء میں بیمار ہو کر مرا۔ اس کے بعد ملک نائب کافور کچھ دن قابض رہا پھر اس کے چھوٹے لڑکے قطب الدین مبارک خلجی نے سلطنت حاصل کر لی۔

Marfat.com

سوچا کہ ممکن ہے ان کا یہ اندیشہ ٹھیک ہو لہذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ جو کچھ بھی ہے اس کا پتہ چل جائے تاکہ پہلے ہی سے اس کا تدارک کر لیا جائے۔ لہذا اس نے ایک مضمون تیار کرایا جو حکومت اور حکمرانی کے متعلق تھا۔ اور شہزادہ خضر خاں کی معرفت آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور یہ بھی کہلا کر بھیجا کہ آپ دین و دنیا کے بادشاہ ہیں۔ اور دنیوی حکومت مجھے سونپی گئی ہے لہذا یہ مناسب ہے کہ سلطنت کے متعلق جو مشکلات در پیش ہوں۔ وہ آپ کی خدمت میں عرض کروں اور آپ کے مشورے کے مطابق عمل کروں تاکہ سب ہی کا بھلا ہو۔

غرض کہ شہزادہ خضر خاں یہ مراسلہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں پیش کیا اور جو کچھ زبانی کہلا کر بھیجا تھا وہ بھی عرض کیا۔ آپ نے وہ مراسلہ لے تو لیا لیکن کھولا اور پڑھا نہیں۔ بلکہ حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: ہم فاتحہ پڑھتے ہیں۔ سب شریک فاتحہ ہو گئے۔ فاتحہ کے بعد آپ نے شہزادے سے فرمایا:[۱]

درویشوں کو راج دربار کے کاموں کا کیا سلیقہ۔ میں ایک درویش ہوں اور شہر سے الگ ایک کونے میں پڑا ہوں۔ اور بادشاہ کے لیے اور رعایا کے لیے دعا میں مشغول ہوں۔ اس کے باوجود بھی اگر بادشاہ کا حکم ہو تو اللہ کی زمین وسیع ہے۔ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔

جب شہزادہ خضر خان نے بادشاہ کو یہ جواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ میں خوب جانتا تھا کہ ان باتوں سے آپ کو ذرا بھی نسبت نہیں، اور یہ دشمن مجھے مردانِ خدا سے بھڑانا چاہتے ہیں جو میری ہلاکت اور ملک و سلطنت کی تباہی کا باعث ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے معذرت چاہی اور معافی مانگی اور حاضر ہونے کی اجازت بھی طلب کی۔ مگر آپ نے حاضری کی اجازت نہیں دی[۲] تاہم حاسدوں کی کوششیں

۱؎: تاریخ نظامی صہ ۲۴ پر آپ کی تقریر کو مسخ کر کے لکھا ہے۔ (بقیہ صہ ۱۱۶ پر)

ناکام ہوکر رہ گئیں۔

اس کے بعد جب سلطان قطب الدین مبارک[1] خلجی کا دور آیا تو حاسدوں نے پھر اپنا کام شروع کر دیا سلطان نے ان ہی دنوں میں شہر سیری[2] میں ایک جامع مسجد بنوائی تھی جس کا نام مسجد میری[3] رکھا تھا۔ جب وہ اتنی بن گئی کہ اس میں نماز پڑھی جا سکے تو بادشاہ نے علماء و

(بقیہ صـ۱۱۵) ـ سیر الاولیاء صـ۱۳۳، ۱۳۴ اور نیز تاریخ نظامی صـ۳۷، ۳۸ میں اس واقعہ کو مسخ کر کے لکھا ہے۔

۱ ؛ سلطان علاء الدین خلجی کے بعد ملک کافور نائب الملک نے سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا لیکن سلطان علاء الدین خلجی کے چھوٹے لڑکے سلطان قطب الدین مبارک خلجی نے تھوڑے ہی دنوں میں اس کو شکست دے کر سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء میں تخت نشین ہوگیا۔ شروع میں بڑی مستعدی سے کام کیا اور کئی مہمیں سر کیں لیکن پھر راگ رنگ اور شراب نوشی بلکہ عیاشی میں مبتلا ہوگیا۔ بازاری عورتیں اور ڈوم ڈھاری مصاحب بن گئے۔ بر سر دربار کھلے عام بیہودگیاں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ شریفوں کو اور خاندانی امیروں کو اپنی عزت بچانی دوبھر ہوگئی۔ رات دن اپنے محبوب خسرو خاں کے اشارے پر ناچتا تھا، جو نہایت حسین اور خوبصورت نوجوان تھا اور اس کا اصلی نام منگو تھا۔ اور گجرات کی نیچ ذات کا ہندو تھا۔ آخر کار اسی نے ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء میں رات کے وقت قصر ہزار ستون کی چھت پر جو بادشاہ کی خلوت گاہ تھی، بادشاہ کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کو محل سرائے کے صحن میں پھینک دیا اور سر کو نیزے پر علم کرا دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔
(تاریخ ہند ہاشمی)

۲ ؛ سلطان علاء الدین خلجی نے قدیم دلی کے شمال مشرق میں ایک قلعہ بنوایا تھا اور وہیں لشکر گاہ بھی بنوائی تھی۔ یہ قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی فصیل میں تاتاری حملہ آوروں کے آٹھ ہزار سر چنوائے تھے مہرولی روڈ اور متھرا روڈ کے درمیان موضع شاہ پور جٹ کے پاس اس قلعہ کے آثار ملتے ہیں۔ یہ مقام ابتدا میں لشکر گاہ تھا اور پھر شہر بن گیا تھا۔ (واقعات دارالحکومت دلی) (بقیہ صـ۱۱۷ پر)

مشائخ اور ائمہ و صدور اور اکابر کے نام فرمان جاری کیا کہ وہ اس جمعہ کو مسجد میری میں نماز جمعہ پڑھیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی فرمان پہنچا۔ مگر آپ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے نزدیک ہی مسجد ہے اور وہی زیادہ مستحق ہے۔ ہم اسی میں نماز جمعہ پڑھیں گے۔ لہٰذا آپ مسجد میری میں تشریف نہیں لے گئے اور نزدیک ہی کی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائی[۱]

اس کے علاوہ بادشاہ نے یہ کر بھی لگائی تھی کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو تمام علماء و مشائخ اور ائمہ و صدور نئے مہینے کی مبارک باد دینے کے لیے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ کبھی نہیں گئے البتہ اپنے خادم خواجہ اقبال[۲] کو اپنی طرف سے بھیج دیا کرتے تھے۔ اور یہ بات دشمنوں کو اور حاسدوں کو بہت ہی کھٹکتی تھی۔ لہٰذا انھوں نے بادشاہ کو خوب ورغلایا یہاں تک کہ وہ حضرت محبوب الٰہیؒ کو آزار پہنچانے کے لیے آمادہ ہوگیا اور اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ آئندہ مہینے کی پہلی کو اگر آپ مبارک باد دینے کے لیے تشریف نہ لائے تو سخت بدسلوکی سے پیش آئے گا۔ اور اگرچہ اس قسم کی اطلاعوں سے سب ہی فکرمند تھے۔ مگر آپ کو ذرا بھی فکر نہ تھا۔ اور آپ جانے کے لیے ذرا بھی آمادہ نہ تھے۔ آخر کار خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چاند رات ہی کو اس کے محبوب خسرو خاں نے قصرِ[۳] ہزار ستون کی چھت پر سلطان کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح یہ قصہ پاک ہوگیا اور

(بقیہ صہ ۱۱۶) [۳]: یہ مسجد قدیم دلّی (مہرولی) کی مسجد قوۃ الاسلام کے نمونہ پر بنوائی جا رہی تھی اور سفید و سرخ اور سبز و سیاہ پتھروں سے تعمیر کی جا رہی تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اگر یہ مسجد بن جاتی تو ایسی مسجد کسی ملک میں نہ ہوتی۔ لیکن صرف ایک محراب اور ایک دیوار ہی بنی تھی کہ سلطان قطب الدین خلجی عیش و عیاشی میں مبتلا ہو کر قتل ہوگیا۔ (ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد ۲ صہ ۴۷)

[۱]: سیر الاولیاء صہ ۱۵۰ ج

[۲]: خواجہ اقبال کا مزار حضرت امیر خسروؒ کے خطیرے سے جانب غرب ہے۔ (بقیہ صہ ۱۱۸ پر)

دشمن اور حاسد اپنا سا مونھ لے کر رہ گئے۔[1]

اس کے بعد جب سلطان غیاث الدّین[2] تغلق تخت نشین ہوا۔ تو حاسدوں نے پھر حسد کی آگ کو ہوا دینی شروع کی اور موقع پا کر بادشاہ کو ورغلایا اور یہ کہا کر مولانا نظام الدّین ایک عالم کے مقتدا ہیں اور سماع بھی سنتے ہیں جو امام ابو حنیفہؒ[3] کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے بے شمار بندگان خدا اس نامشروع کام میں مبتلا ہیں۔

بادشاہ سماع کے حلال و حرام ہونے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس لیے اس کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنا بڑا شیخ جو ایک عالم کا مقتدا ہے۔ نامشروع کام کیسے کرتا ہے۔ بادشاہ

(بقیہ صـ۱۱۷) ۳؎ : قصر ہزار ستون سلطان علاء الدّین خلجی نے بنوایا تھا جو قلعہ سیری میں تھا۔ یہ بھی عجیب خونی مکان تھا۔ اسی میں ملک کافور کا قتل ہوا۔ پھر سلطان قطب الدین قتل ہوا اور پھر اسی جگہ خسرو خاں کو قتل کیا گیا۔ اور اسی میں سلطان غیاث الدّین تغلق تخت نشین ہوا۔

۱؎ : سیر الاولیا صـ ۱۵۱ ج

۲؎ : سلطان غیاث الدّین تغلق خسرو خاں کو شکست دے کر اور قتل کرا کے ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء میں تخت نشین ہوا یہ دراصل دیپالپور کا صوبہ دار تھا جو اس زمانے میں بہت اہم سرحدی مقام تھا۔ یہ نہایت بہادر سپہ سالار تھا۔ اس نے بادشاہ ہوتے ہی ملکی حالات کو درست کیا اور پچھلی بدانتظامی کو دور کیا۔ اور قلعہ تغلق آباد تعمیر کرایا جو نہایت سنگین قلعہ ہے اور پہاڑ بنا ہوا ہے۔ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں بنگال سے واپس آیا تو افغان پور میں جشن استقبال کے لیے ایک مکان بنوایا گیا تھا، وہاں اترا جشن منایا جا رہا تھا کہ چھت آپڑی اور دب کر مر گیا۔ یہ واقع ربیع الاول ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء کو پیش آیا تھا۔

۳؎. امام ابو حنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت تھا اور تابعین میں سے تھے۔ بہت بڑے فقیہہ تھے اور عالم و متقی تھے کوفہ کے رہنے والے تھے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ آج تک آپ کو اپنا امام مانتا ہے۔ ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پُر انوار بغداد میں ہے۔

Marfat.com

کو ہم خیال بنانے کے لیے حاسدوں نے فتوے بھی پیش کیے اور کتابوں میں سے عبارتیں بھی پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ لہٰذا بادشاہ نے حکم دیا کہ مجلس مناظرہ منعقد کی جائے اور جملہ علماء و مشائخ اور اکابر و صدور کو بلایا جائے۔ اور مولانا نظام الدین کو بھی بلایا جائے۔ اور اس مسئلے پر تبادلہ خیال کیا جائے اور جو کچھ طے ہو جائے اس پر عمل کیا جائے[1] لہٰذا مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ بھی اس میں تشریف لے گئے۔ اور خوب تبادلہ خیال ہوا۔ لیکن مخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔ اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دشمنوں نے اپنی سی کرنی میں کسر تو رکھی نہ تھی، لیکن توفیق الٰہی سازگار تھی اس لیے بال بھی بانکا نہ کر سکے بلکہ خود ہی ذلیل و رسوا ہوئے اور بادشاہ نے آپ کو بڑی تعظیم و تکریم سے رخصت کیا[2]

سماع کیا ہے؟

سماع کہتے ہیں ان اشعار کے اچھی آواز میں سننے کو جو خدا کی یاد تازہ کرتے ہیں[2] حضرت محبوب الٰہیؒ نے سماع کے لیے کچھ شرطیں بھی قرار دی ہیں۔ اور یہ فرمایا ہے کہ جس سماع میں ان شرائط کی پابندی ہو گی وہ حلال[3] ہے ورنہ نہیں۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں:

(بقیہ ۱۱۰)
[۴] : غالباً بادشاہ کو حاسدوں کی باتوں پر ان فتوؤں پر جو انھوں نے پیش کیے تھے اور ان عبارتوں پر جو انھوں نے پڑھ پڑھ کر سنائی تھیں، اعتبار نہیں تھا۔ اسی لیے کوئی حکم نہیں دیتا تھا۔ تاریخ نظامی صـ ۲۹، ۳۰ میں اس واقعہ کو مسخ کر کے لکھا ہے۔

[۱] : سیر الاولیا صـ ۲۷، ۵۲۸، ۵۳۱ پ

[۲] : کشف المفتاح، قلمی صـ ۷، ۳ [۳] : فوائد الفواد جلد ۵ صـ ۲۴۶

Marfat.com

(۱) گانے والا نہ تو لڑکا ہو اور نہ عورت، بلکہ مرد ہو اور پورا مرد۔

(۲) اشعار فحش و ہزل نہ ہوں یعنی اشعار میں دنیوی خیالات نہ ہوں۔ بلکہ ایسے ہوں جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی ہو۔

(۳) سننے والے خدا سے لَو لگا کر سنیں۔ ان کے دل خدا کی یاد سے بھرپور ہوں دنیا کا خیال ذرا بھی نہ ہو۔ اگر دل دنیا کی طرف مائل ہے تو سماع حرام ہے۔

(۴) سماع میں مزامیر چنگ و رباب یعنی ساز و باجہ ہرگز نہ ہو۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کے مریدوں نے سماع کی محفل میں شرکت کی جس میں ساز و باجہ بھی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے منع کر رکھا ہے کہ سماع میں محرمات نہ ہوں مزامیر نہ ہو، ساز و باجہ نہ ہو۔ انھوں نے یہ اچھا نہیں کیا جو ایسی محفل سماع میں شرکت کی جس میں مزامیر بھی تھا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی اپنے مقام سے گرے تو شرع میں تو ٹھیرے اگر خدانخواستہ شرع سے باہر گیا تو کہیں کا بھی نہ رہا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سماع اہلِ ذوق کا مشغلہ ہے اور وہ ساز و باجہ کے محتاج نہیں انھیں تو شعر ہی سے کیف حاصل ہو جاتا ہے[۱] غرض کہ آپ نے دیر تک گفتگو فرمائی اور بہت کچھ فرمایا۔

ایک دفعہ اور حاضرین نے عرض کیا کہ آپ کے آستانے میں رہنے والے درویشوں نے سماع کی ایسی مجلس میں شرکت کی جس میں چنگ و رباب اور مزامیر (ساز و باجہ) بھی تھا۔ اور رقص بھی کیا۔ آپ نے فرمایا: انھوں نے اچھا نہیں کیا، کیونکہ جو خلافِ شرع ہے وہ بُرا اور ناپسندیدہ ہے۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ جب وہ سماع سے فارغ ہوتے ہیں اور ان سے

---

۱ : فوائد الفواد جلد ۳ صہ ۹۵

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ اس مجلس میں ساز و باجہ بھی تھا تم نے اس مجلس میں شرکت کیسے کی اور سماع کیوں سنا اور رقص کیوں کیا تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو سماع میں ایسے محو تھے کہ ہمیں ذرا بھی خبر نہیں کہ وہاں کیا تھا اور کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا؛ یہ جواب بھی کچھ نہیں ہے۔[ل] یہ عذر تو ہر گناہ کے لیے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے معزز خلیفہ مولانا فخر الدین زرادیؒ لکھتے ہیں؛

بعض مغلوب الحال نے تو شوق کے غلبے میں مزامیر سے گانا سنا ہے لیکن ہمارے مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس تہمت سے قطعاً بری ہیں (ان کا سماع) صرف مخصوص قوال کی آواز ہوتی تھی ان اشعار کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی صنعت کے کمال کی خبر دینے والے ہوتے تھے[۲] (ترجمہ)

الغرض حضرت محبوبِ الٰہیؒ جو سماع سنا کرتے تھے۔ وہ ان شرائط کے ساتھ ہوتا تھا۔ جو نقل کی گئی ہیں۔ اور وہ سماع کی محفلیں ایسی نہیں ہوتی تھیں جیسی آج کل قوالی کی مجلسیں ہوتی ہیں کہ جن میں کسی شرط کی بھی پابندی نہیں ہوتی۔ بلکہ سامعین کا میلان حرص و ہوا کی جانب ہوتا ہے جو نامشروع ہے۔ اور آپ ہرگز ایسا سماع نہیں سنتے تھے جس کا آج کل رواج ہے۔ اور جو ذرا بھی جائز نہیں۔

ل؛ فوائد الفواد جلد ۵ صـ ۲۲۷

۲؛ کشف المفتاح صـ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور سماع کے اصول پر نہایت جامع کتاب ہے۔ راقم نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اور مقدمہ بھی لکھا ہے۔ جس میں مسئلہ سماع اور محضر سماع کی پوری کیفیت لکھی ہے۔ اور مصنف کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ یہ کتاب اب عربی متن اردو ترجمہ اور مقدمہ پر مشتمل ہے۔ لائق مطالعہ ہے۔

(اخلاق)

Marfat.com

محضرِ سماع

سلطان غیاث الدّین تغلق کی تجویز کے مطابق مسئلہ سماع کے تصفیہ کے لیے مجلس مناظرہ منعقد کی گئی جسے اس زمانے میں محضرِ سماع سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور اس میں کوئی ڈھائی سو جیّد علمار اور مشائخ اور صدور و اکابر نے شرکت کی۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ بھی تشریف لے گئے۔ اور قاضی محی الدّین کاشانیؒ بھی جو استادِ شہر تھے اور مولانا فخر الدّین زرادیؒ بھی جو اجتہاد کا مرتبہ رکھتے تھے، آپ کے ساتھ ہو لیے اور ایوانِ شاہی میں پہنچ گئے۔

مجلس مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہی نائب حاکم قاضی جلال الدّین نے نجی طور پر آپ سے بات چیت شروع کی۔ پہلے تو نصیحت آمیز باتیں کرتے رہے۔ لیکن آخر میں لب و لہجہ بدل گیا۔ اور ایسے الفاظ بھی کہہ گزرے جو حضرت کے شایانِ شان نہیں تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا کہ اگر آج سے تم نے کسی کو مجلسِ سماع میں شریک ہونے کے لیے بلایا یا سماع سنا تو میں حاکمِ شرع ہوں، سخت بدسلوکی سے پیش آؤں گا۔ آپ کو یہ گفتگو سخت ناگوار گزری اور آپ نے کچھ عجب کیفیت کے عالم میں فرمایا: جس منصب کے گھمنڈ پر تم یہ باتیں بنا رہے ہو۔ اس سے معزول ہو جاؤ۔ (چنانچہ وہ بارہ دن بعد اس منصب سے معزول ہو گیا اور حالتِ معزولی ہی میں مر گیا۔)[1]

الغرض مجلس مناظرہ کی کارروائی شروع ہوئی اور شیخ زادہ حسام الدّین جامؔ[2] نے بڑی دھنواں دھار تقریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: تمھاری مجلس میں سماع ہوتا ہے اور رقص کیا

---

[1]: سیر العارفین ص ۸۹

[2]: شیخ زادہ حسام نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ ہی کی خانقاہ میں پرورش پائی تھی لیکن نمک حرام اور بدبخت تھا۔ اپنے محسن کے احسان کا الٹا ہی شکریہ ادا کیا۔ (سیر الاولیار)

Marfat.com

جاتا ہے اور نعرے لگائے جاتے ہیں۔ غرض کہ اس نے اپنی تقریر میں بہت سی بے سروپا باتیں کہیں۔ جن کا آپ کی مجالس سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ جب وہ اپنی سی سب کچھ کہہ چکا تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے جوابی تقریر میں صرف اتنا ہی فرمایا کہ ہلڑ نہ مچاؤ اور زیادہ نہ لولو، بس یہ بتاؤ کہ سماع کہتے کسے ہیں اور سماع کے معنی کیا ہیں؟ بادشاہ اور اکابر و صدور سب آپ کی طرف متوجہ تھے اور سوچتے تھے کہ آپ اس الزامی تقریر کا کیا جواب دیتے ہیں، اور کن کن باتوں کی صفائی پیش کرتے ہیں، لیکن آپ نے نرالا ہی اندازِ گفتگو اختیار کیا۔ جس نے سب ہی کو حیرت میں ڈال دیا۔ شیخ زادہ حسام الدین سے کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ بلکہ یہی کہتے بن پڑی ہیں یہ تو نہیں جانتا کہ سماع کہتے کسے ہیں۔ البتہ علماء یہ کہتے ہیں کہ سماع حرام ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ جب تم سماع کے معنی بھی نہیں جانتے تو میں بھی تم سے کلام کرنا نہیں چاہتا۔ شیخ زادہ حسام بہت ہی جزبز ہوا۔ اور اپنا سا مونھ لے کر رہ گیا۔

بادشاہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی طرف خاص طور سے متوجہ تھا اور کان لگا کر آپ کی گفتگو سن رہا تھا اور جب مخالفین کائیں کائیں کر کے شور مچاتے تو انھیں روکتا اور کہتا کہ شور نہ مچاؤ اور سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔

قاضی کمال الدین صدرِ جہاں نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ان کے روبرو یہ کہا گیا کہ سماع حرام ہے اور رقص فسق ہے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اس سے ممانعت ثابت کہاں ہوتی ہے؟ یہ سن کر صدرِ جہاں بھی لاجواب ہو گئے۔

دورانِ گفتگو میں حضرت محبوب الٰہیؒ نے کئی بار صحیح حدیثیں بھی پیش کیں لیکن مخالفین نے سننا تک گوارا نہیں کیا اور ہر بار یہی کہا کہ یہ تو وہی حدیثیں ہیں کہ جو شافعی سماع کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں اس لیے ہم ان حدیثوں کو سننا بھی نہیں چاہتے۔ اور یہ بھی کہتے کہ تم حنفی ہو لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کا قول پیش کرو۔ آپ

فرماتے کہ میں حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم پیش کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول پیش کرو حالانکہ حدیث پاک کے مقابلے میں امام ابوحنیفہؒ کا قول کب قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔

الغرض یہ مناظرہ صبح (چاشت کے وقت) سے دوپہر تک ہوتا رہا اور کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ آخر کار قاضی جلال الدین نائب حاکم نے بادشاہ سے کہا کہ اب بادشاہ کو سماع کے حرام ہونے کا حکم دے دینا چاہیئے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے بھی فوراً بادشاہ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ کوئی حکم دیں۔ بادشاہ نے آپ کی بات مانی اور کوئی حکم نہیں دیا۔ اور آپ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا[1] اور خدا خدا کرکے اس فتنے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور حاسدین کی حاسدانہ سازشیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔

امیر خورد کرمانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ جہاں حدیث شریف کو نہ مانا جائے وہاں کی اینٹ سے اینٹ نہ بج جائے تو تعجب ہے۔ لہٰذا اس واقعہ کے چار سال بعد سلطان محمد تغلق نے دلّی کو اجاڑ کر دیوگیر (دولت آباد) کو بسایا اور دلّی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی[2] اور حدیث شریف کو قبول نہ کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اللہ تعالےٰ ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین

---

[1] : سیر الاولیا ص ۵۲۶ تا ص ۵۳۲ و سیر العارفین ص ۸۹

[2] : سلطان محمد تغلق نے ۷۲۷ھ / ۱۳۲۷ء میں شہر دلّی کو اجاڑ کر دولت آباد کو آباد کیا۔ بدایونی کا بیان ہے کہ در ۷۲۷ھ عزیمت دیوگیر کرد و اورا دولت آباد نام نہاد آں را دارالملک ساخت الخ (حاشیہ ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۵۹) اس سے ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء میں ہوا تھا اور اس وقت تک قاضی محی الدین کاشانیؒ حیات تھے۔

Marfat.com

آخری عمر کے مجاہدات

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی مبارک زندگی کے آخری دور میں دنیوی جاہ وجلال آپ کے خدام کے قدموں میں تھا۔ اور فتوحات کی راہیں کشادہ تھیں۔ گویا ہر سمت سے ہُن برس رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے پہلے سے بھی زیادہ سخت مجاہدات اپنے لیے لازم کر لیے تھے۔ اور مبارک زندگی کے آخری تیس ۳۰ سال سخت ترین مجاہدات میں گزارے اور ایسی روش وراہِ عمل اختیار کی کہ آپ کی مبارک زندگی بذاتِ خود بے مثل اور اعلیٰ درجے کی زندگی بن گئی اور ان مجاہدات کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ان میں ظاہری ریاضت کم اور باطنی مشغولیت بہت زیادہ تھی۔

نماز باجماعت

اگرچہ آپ عمر مبارک کی اسّی ۸۰ منزلیں طے فرما چکے تھے۔ لیکن کبر سنی وضعیفی کے باوجود آپ پنج وقتہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جماعت خانے کی بلند ترین عمارت سے نیچے تشریف لاتے اور درویشوں اور عزیزوں کے ساتھ کہ جس میں ملائک بھی شریک ہوتے تھے نماز باجماعت ادا فرماتے تھے[1]

---

[1] امیر خورد کرمانیؒ نے کتاب سیر الاولیا حضرت محبوب الٰہیؒ کے وصال کے بہت عرصے بعد لکھی ہے اور آخری تیس ۳۰ سالہ مجاہدات میں آپ کی عمر شریف اسّی ۸۰ سال لکھی ہے۔ جو قرینے سے آخر ترین عمر ہونی چاہیئے پھر کوئی ایسا ذکر بھی نہیں ملتا کہ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ عمر شریف اس سے زیادہ تھی اس کے علاوہ دلّی آنے اور بیعت ہونے کے وقت جس قدر عمر حضرت محبوب الٰہیؒ نے بتائی ہے اور خلافت کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ۶۲۵ھ / ۱۲۴۷ء (بقیہ ص۲۶ پر

سحری

خواجہ عبدالرحیمؒ جن کے سپرد سحری کی خدمت تھی۔ سحری کے وقت حاضر خدمت ہوتے اور سحری کے لیے کھانا پیش کرتے۔ جو ہلکی سی غذا ہوتی تھی آپ کبھی تو اس میں سے کچھ کھا لیتے تھے اور جو بچتا اس کے لیے فرماتے کہ یہ بچوں کے لیے رکھ دو۔ ورنہ آپ اکثر سحری نہیں کھاتے تھے۔ خواجہ عبدالرحیمؒ عرض کرتے کہ آپ نے افطار کے وقت بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔ اگر سحری میں بھی آپ کچھ نہیں کھائیں گے تو کیا ہوگا۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے۔ اور فرماتے کہ بہت سے مسکین اور درویش دکانوں اور مسجدوں کے کونوں میں فاقے سے پڑے ہیں۔ میرے حلق سے نوالہ کیسے اترے۔ آپ یہ فرماتے اور رونے لگتے۔ مجبوراً کھانا اٹھا لینا پڑتا[1]

نمازِ فجر اور ملاقات

نماز فجر کے لیے آپ بالاخانہ سے نیچے تشریف لاتے اور نماز با جماعت ادا فرماتے اور پھر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ اور اکثر اوقات مصلیٰ پر قبلہ رُخ بیٹھے مشاہدۂ حق میں مشغول رہتے جیسے کہ آپ خدا ہی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر نماز اشراق ادا فرماتے اور اگر چہ

(بقیہ صہ ۱۲۵) سن ولادت ہے۔ ~~۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء~~ دلّی آنے کا سن ہے اور ~~۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء~~ بیعت ہونے کا سن ہے۔ اور ~~۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء~~ خلافت کا سن ہے کیونکہ بیعت ہونے کے بعد سال میں ایک بار تشریف لے گئے ہیں اور تیسری بار کی حاضری میں خلافت ملی ہے۔

[1] سیر الاولیا صہ ۱۲۴ ج

[2] سیر الاولیا صہ ۱۲۸

Marfat.com

آپ ملاقات کے وقت بظاہر گفتگو بھی فرماتے تھے۔ لیکن دست بکار اور دل بیار کی مصداق باطن میں مشغول رہتے تھے۔ نمازِ فجر کے بعد آپ سورۂ یاسین بھی تلاوت فرماتے تھے اشراق چاشت کے درمیان ملاقات و گفتگو فرماتے تھے۔

علماء و مشائخ، صدور و اکابر، امیر و غریب، شریف و کمین سب ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو بھی آتا آپ اس سے اسی طرح کی بات چیت کرتے جو اس کے لائق ہوتی۔ اور بڑی دل جوئی اور مہربانی سے پیش آتے تھے اور آنے جانے والوں کو تحفے تحائف بھی دیتے۔ نقد و جنس یا کپڑا وغیرہ جیسا بھی مناسب ہوتا کچھ نہ کچھ آپ ضرور عنایت فرماتے تھے۔ اور اس طرح آپ تالیفِ قلوب[1] فرماتے رہتے تھے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ مجھے واقعہ میں ایک کتاب دی گئی تھی۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ جہاں تک بن پڑے دلوں کو راحت پہنچاؤ، کیونکہ مومن کا دل اسرار الٰہی کا محل[2] ہے۔ لہٰذا آپ ایسی گفت گو فرماتے کہ باتوں ہی باتوں میں دلوں کو موہ لیتے تھے یہاں تک کہ جو آپ سے ایک ہی دفعہ ملتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

قیلولہ

دوپہر کو آپ بالاخانے پر تشریف لے جاتے اور قیلولہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ قیلولہ میں تھے کہ ایک درویش آیا۔ چونکہ لنگر خانے میں کچھ تیار تھا نہیں۔ اس لیے اخی مبارک نے اسے کچھ دیا نہیں۔ اور یوں ہی واپس کر دیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو اخی مبارک کو بلایا اور دریافت کیا کہ کیا کوئی آیا تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک درویش آیا

---

[1] : سیر الاولیا ص۱۲۸، ۱۲۹ چ

[2] : سیر الاولیا ص۱۲۸ چ۔

Marfat.com

تھا لیکن اس کی کچھ خدمت نہیں کی جاسکی کیونکہ لنگر خانے میں کچھ تیار نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ابھی شیخ کبیرؒ کو خواب میں دیکھا ہے کہ ناراض ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہو آنے والے کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیئے یہ کیا کہ وہ مایوس ہو کر الٹا چلا جائے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ میں خواہ قیلولہ میں ہوں لیکن آنے والے کی مجھے فوراً خبر دی جائے۔ اس کے بعد سے آپ نے یہ کر لیا تھا کہ جب آپ قیلولہ سے فارغ ہوتے تو دو باتیں دریافت کرتے ایک تو یہ کہ سایہ ڈھل گیا یا نہیں دوسرے یہ کہ کوئی آیا یا نہیں؟[1]

انتظار

آپ کا یہ بھی دستور تھا کہ جو شخص جس وقت بھی آتا۔ آپ اسی وقت اس سے ملاقات فرماتے تھے۔ اور کسی کو ذرا بھی انتظار کرنا نہیں پڑتا تھا۔ اور ان ملاقاتوں میں ایسی کچھ باتیں کرتے کہ آنے والے راہِ حق اختیار کر لیتے اور برُے کاموں سے تائب ہو جاتے تھے۔[2]

نمازِ ظہر

ظہر کی نماز کے لیے آپ بالاخانہ سے نیچے تشریف لاتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو سورۂ نوح تلاوت فرماتے تھے پھر مخلوق کی ہدایت اور راہ نمائی کی جانب متوجہ ہوتے۔[3]

---

[1] : سیر الاولیا ص ۱۲۸

[2] ص ۱۲۹ [3] : ص ۳۸۴

Marfat.com

ملاقات بعد ظہر

آپ آنے والوں سے ملاقات فرماتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ اس وقت آنے والوں میں زیادہ تر علماء، و مشائخ اور عابد و زاہد ہوتے تھے۔ اور آپ کے جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کسی کو سر اونچا کر کے آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی تھی۔ علمی مسائل پر بھی گفتگو ہوتی تھی اور آپ نور باطن سے بہت ہی تسلی بخش جواب دیتے اور ایسے دل کش انداز میں گفتگو فرماتے کہ دل میں اترتی چلی جاتی۔ اور اسی کی برکت سے اکثر مخالف علماء، آپ کے بندۂ بے دام اور حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ اسی مجلس میں آپ عبادتِ الٰہی اور محبتِ خداوندی کے بارے میں گفتگو فرماتے جسے سب دل لگا کر سنتے اور انھیں عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی۔

یہ مجلس ختم ہوتی تو (غالباً) آپ بالاخانے پر تشریف لے جاتے اور تخلیہ میں ذکرِ الٰہی فرماتے۔ عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد آپ سورۂ اِنّا فتحنا پڑھتے اور تخلیہ میں مشغول حق ہوتے کیونکہ یہ وقت خاص مقبولیت کا وقت ہوتا ہے[1]

امیر خورد کرمانی رح لکھتے ہیں کہ آپ روزانہ امام غزالی رح کی جوہر القرآن ڈھائی پارہ اور حزبِ یمانی و حرزِ کافی پڑھتے تھے۔

روزے

آپ ہمیشہ روزے رکھتے اور دائم الصوم رہتے تھے۔ اور افطار کے وقت ایک یا

---

[1]: امیر خورد کرمانی رح نے ظہر کی مجلس کے بعد سے مغرب کے وقت تک کے حالات پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالی ہے لہٰذا اس بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ غالباً کی مد میں ہے۔

آدھی روٹی سبزی سے یا کڑوے کریلوں[1] کی بھجیا سے تناول فرماتے تھے یا صرف تھوڑے سے چاول کھالیتے تھے۔ اور وہ بھی مسافروں، درویشوں اور عزیزوں کی موافقت کی وجہ سے جو دستر خوان پر ہوتے تھے کیونکہ اگر آپ نہیں کھاتے تو وہ کیسے کھالیتے۔ کھاتے وقت آپ کی نظرِ شفقت جس پر ہوتی اسے یا تو اپنی رکابی میں شریک فرمالیتے یا خصوصیت سے اسے نوالہ عنایت فرماتے تھے۔

مولانا شمس الدین یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ میں افطار کے وقت دستر خوان پر حاضر تھا آپ نے روزہ افطار کیا اور پھر جو پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آخر تک اسی طرح رہا اور آپ نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اور اس معمولی سے کھانے کے باوجود امیر خورد کرمانیؒ کا بیان ہے کہ ضعف و نقاہت کا ذرا بھی اثر آپ کے جسم مبارک سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی مبارک آنکھیں سُرخ رہتی تھیں اور مستانہ کیفیت چھائی رہتی تھی۔

مغرب کے وقت روزہ افطار کرتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے پھر سورۂ واقعہ تلاوت فرماتے بعد ازاں آپ بالاخانے پر تشریف لے جاتے تھے۔ اس وقت بھی دوست اور عزیز جو شہر سے اور دوسرے مقامات سے آتے تھے آپ ان سے ملاقات کرتے تھے اور ان سے شفقت آمیز گفتگو فرماتے تھے[2]۔

تواضع

اس ملاقات کے وقت خشک میووں سے اور تر و تازہ پھلوں سے اور کھانے کی

---

[1] تاریخ نظامی ص ۳۶ میں لکھا ہے کہ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت کے اس بڑے مجاہدہ کو حضرت کے جانشین نے اختیار کیا تھا۔ لیکن سیر الاولیا میں یہ کہیں نہیں ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حضرت کے اکثر مریدین دائم الصوم تھے۔ [2] ص ۳۸۴۔

Marfat.com

اچھی اچھی چیزوں سے آنے والوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ اور آپ پھلوں، میووں اور کھانے وغیرہ کے ذائقہ کے متعلق بھی دریافت فرماتے رہتے تھے۔ اور دلچسپ باتیں کرتے رہتے تھے جس سے دلوں کو راحت پہنچتی اور کھانے والے مسرت محسوس کرتے تھے۔

نمازِ عشاء

عشا کی نماز کے لیے آپ جماعت خانے میں تشریف لاتے اور نماز جماعت سے ادا فرماتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر بالاخانے پر تشریف لے جاتے۔ سورۂ تبارک الذی اور ہزار مرتبہ درود شریف اور ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے تھے[1]

بعد عشاء

کچھ دیر آپ ذکر میں مشغول رہتے پھر پلنگ پر تشریف لے جاتے تسبیح لا کر پیش کی جاتی اور آپ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت اور تو کوئی حاضر ہو نہیں سکتا تھا۔ البتہ اگر حضرت امیر خسروؒ موجود ہوتے تو انھیں حاضری کی اجازت تھی۔ آپ ان سے فرماتے، کہو ترک کیا خبر ہے۔ اتنا اشارہ پاتے ہی حضرت امیر خسروؒ دلچسپ باتیں کرنے لگتے۔ آپ بھی کبھی کبھی اظہار مسرت کے لیے سر ہلا دیتے تھے۔ اسی وقت چھوٹی عمر کے قرابتی اور خادموں کے بچے بھی حاضر ہو کر سعادت حاصل کرتے تھے۔

جب حضرت امیر خسروؒ تشریف لے جاتے تو بچے بھی چلے جاتے۔ پھر حضرت خواجہ اقبالؒ لوٹوں میں پانی بھر کر رکھ دیتے اور چلے آتے اور آپ حجرہ بند کر لیتے اور کنڈی لگا لیتے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ساری رات کیا کیا راز و نیاز کی باتیں ہوتیں اور کس ذوق و شوق کے عالم میں رات گزرتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ ہر شب شبِ قدر

---

[1] : س ۱۸۳، ۱۸۴۔

Marfat.com

ہی ہوتی تھی[1]

تجرید

حضرت محبوب الٰہیؒ ہر جمعہ کو تجرید فرمایا کرتے تھے یعنی جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب راہِ مولیٰ میں لٹا دیتے اور غریبوں اور مسکینوں کو تقسیم کرا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام حجروں اور انبار خانوں میں جھاڑو دلا دی جاتی تھی۔ اور ایک حبہ بھی رہنے نہیں دیتے تھے۔ لہٰذا جب آپ کو اس سے اطمینان ہو جاتا کہ سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے اور محتاجوں کو پہنچ گیا ہے، تو آپ نماز جمعہ کو تشریف لے جاتے تھے[2]

نمازِ جمعہ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ جمعہ کی نماز جامع مسجد کیلوکھری میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہاں اور بھی علماء و مشائخ نماز میں شریک ہوتے تھے۔ پہلے آپ نماز ہی کے وقت غیاث پور سے کیلوکھری پیدل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پھر آپ نے مسجد کے سامنے ہی ایک مکان بنا لیا تھا۔ اور اس میں قیام فرمایا کرتے تھے[3] اشراق کی نماز کے بعد تشریف لے جایا کرتے تھے اور نماز جمعہ سے پہلے غسل کر کے مسجد میں جایا کرتے تھے۔

---

[1]: آخری عمر کے مجاہدات سے متعلق جملہ معلومات سیر الاولیاء ص ۱۲۴ تا ۱۳۰ اور ص ۳۸۳، ۳۸۴ سے فراہم کی گئی ہیں۔

[2]: سیر الاولیا ص ۱۳۱ ج

[3]: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۸۰۔ سیر الاولیا ص ۱۲۴ ج لیکن اب نہ تو اس مکان ہی کا کچھ پتہ ہے اور نہ مسجد ہی کا۔

Marfat.com

ہدیۂ مادیان[1]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گرمی کا موسم تھا۔ اور گرمی بھی سخت پڑ رہی تھی۔ لوہ بھی چل رہی تھی آپ روزے سے تھے اور نماز جمعہ کے لیے پیدل تشریف لے جا رہے تھے۔ پیاس بہت ہی لگی بلکہ زبان تک خشک ہو گئی اور سر چکرانے لگا۔ آپ نے ایک دوکان میں دم لیا اور دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے پاس سواری کو کچھ ہوتا تو میں سوار ہو کر چلا جاتا۔ اور اس تکلیف سے محفوظ رہتا۔ لیکن پھر آپ نے اس خطرے کو دل سے دور کیا۔ اور دل کو سمجھایا کہ راضی برضا ہی رہنا چاہیئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت شیخ ملک یار پرّاں[2] رح کے خلیفہ میرے پاس ایک گھوڑی لے کر آئے۔ اور کہا کہ اسے قبول فرمائیے۔ میں نے کہا: آپ خود درویش ہیں میں آپ سے کیا لوں۔ انھوں نے کہا کہ آج تیسری رات ہے کہ میرے شیخ رح مجھ سے خواب میں فرماتے ہیں کہ یہ گھوڑی میں آپ کو نذر کر دوں۔ حضرت محبوب الٰہی رح فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے شیخ نے آپ سے کہا ہے، اگر میرے شیخ مجھ سے فرمائیں گے تو میں لے لوں گا۔ غرض کہ اسی رات حضرت بابا فرید گنج شکر رح کو خواب میں دیکھا کہ یہ فرماتے ہیں کہ شیخ ملک یار پرّاں رح کی خاطر سے قبول کر لو۔ لہٰذا وہ گھوڑی میں نے

---

[1] : مادیان، یہ لفظ مفرد ہے جمع نہیں ہے۔ اس لیے اسپ مادیان کہنا غلط ہے۔ لغات کشوری صہ ۴۲۱

[2] : شیخ ملک یار پرّاں رح سے مراد غالباً حضرت شیخ نورالدین ملک یار پرّاں ہیں۔ جن کا مزار پُر انوار پرانا قلعہ دلّی کے سامنے اور حضرت شیخ ابوبکر طوسی رح کی خانقاہ کے مقابل منہرا رو ڈ سے جانب غرب ہے۔ تاریخ وصال ۱۸ رجمادی الآخر ۶۸۰ھ / ۱۲۸۱ء ہے آپ اولیائے کاملین میں سے ہیں۔ آپ کے مختصر حالات راقم نے کتاب سوانح حضرت شیخ ابوبکر طوسی رح صہ ۴۱، ۴۲ کے حواشی میں لکھ دیئے ہیں۔

Marfat.com

قبول کرلی۔ اس دن سے میرے ہاں کبھی گھوڑوں کی کمی نہیں پڑی۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے وہ گھوڑی اپنے بھانجے خواجہ محمد[1] کو دے دی[2]

شادی

حضرت محبوب الٰہیؒ کے مجاہدات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ حضرت بی بی فاطمہ[3] سامؒ نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک شخص کی لڑکی ہے تم اس سے نکاح کرلو تو مناسب ہے۔ میں نے کہا کہ میں جس زمانے میں شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تھا۔ تو ایک جوگی آیا۔ اور دیر تک بات چیت کرتا رہا اس نے یہ بھی بیان کیا کہ مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں اور ہر دن کی خاصیت الگ الگ ہوتی ہے

۱؎: قاضی محمد بلاق مرحوم نے کوئی چار سو برس بعد یہ بتایا کہ خواجہ محمدؒ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی حقیقی ہمشیرہ بی بی جنتؒ کے صاحبزادے تھے اور خواجہ رفیع الدین ہارونؒ کے والد تھے۔ (مطلوب الطالبین قلمی صہ ۱۹۳)۔ امام علیم الدین مرحوم نے شواہد نظامی صہ ۱۶۶ میں اور مولوی یامین علی مرحوم نے سیرت نظامی صہ ۳۹۵ میں اور ضامن نظامی صاحب نے سیرۃ المحبوب صہ ۵۹۔ ۶۰ میں اسی خیال کی تائید کی ہے لیکن تاریخ نظامی صہ ۱۴ میں اپنے جد کو محترمہ کا صاحبزادہ اور خواجہ محمد کو محترمہ کا نواسہ بنا دیا ہے تاکہ قرب قرابت نصیب ہو جائے۔ لاحول ولاقوۃ۔

۲؎: سیر الاولیا صہ ۱۴۴ ج

۳؎: فوائد الفواد جلد ۵ صہ ۲۴۵ مگر تاریخ نظامی صہ ۳۹ میں شادی نہ کرنے کے متعلق ایک ایسی کہانی لکھی ہے جس کا ذکر کرتے شرم و حیا دامن گیر ہوتی ہے۔ بھلا ایک شریف النفس نوجوان کب ایک پیر فانی کو ایسا بے شرمی کا جواب دے سکتا ہے۔ جو حضرت محبوبِ الٰہی کی ذات والا صفات سے منسوب کر دیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ حیات نظامی صہ ۱۴ میں بھی ایسا ہی کچھ ہے تاہم قدرے پردہ داری اور حیا و شرم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

اولاد نیک و بد اس لیے ہوتی ہے کہ وقت بے وقت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر وقت مناسب ہوتا ہے تو اولاد نیک ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے دنوں کی خاصیت دریافت کی اس نے جو کچھ بیان کیا۔ میں نے بڑے غور سے سنا اور یاد کر لیا۔ اور اس کو سنایا۔ شیخ کبیرؒ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس سے جو کچھ بھی دریافت کیا۔ وہ ہرگز تمھارے کام نہ آئے گا۔[۱] لہٰذا جب حضرت بی بی فاطمہ سامؒ نے یہ قصہ سنا تو فرمایا کہ اب مجھے معلوم ہو گیا اچھا کیا جو تم نے اس لڑکی کو قبول نہیں کیا۔ میں نے بھی اس شخص کی خاطر سے یہ بات کہی تھی۔

عملیات

حضرت محبوب الٰہیؒ نے عملیات بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے بعض ایسے عمل نقل کیے جاتے ہیں جو مصیبت کے وقت کام آتے ہیں۔ آسان بھی ہیں اور زود اثر بھی ہیں اور وہ یہ ہیں :

سے : حضرت بی بی فاطمہ سامؒ نہایت بزرگ اور ولیۂ خدا تھیں۔ یہ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ منہ بولے بہن بھائی تھے۔ بہت ضعیفہ اور خدا رسیدہ تھیں حسب حال شعر کہہ دیا کرتی تھیں۔ ۱۸ ار شعبان ۶۸۳ھ میں وصال ہوا مزار اندرپت میں ہے جو اب کاکا نگر نئی دلی کے نام سے مشہور ہے۔ اور پرانے قلعہ سے جانب غرب ہے۔ اس درگاہ کے متولی حاجی عبد المجید صاحب ہیں جو عرب سرائے کے خاندان شیوخ کی یادگار ہیں اور درگاہ حضرت محبوب الٰہی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی طرف سے سالانہ عرس ہوتا ہے۔

[۱] : فوائد الفواد جلد ۲ صہ ۶۲

Marfat.com

دعا مانگنے کا طریقہ

دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا دل لگا کر مانگنی چاہیئے۔ دعا مانگتے وقت صرف خُدا کے فضل و کرم اور اس کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیئے۔ اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) دُعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو پھیلانا اور بلند رکھنا چاہیئے اور سینے کے سامنے رکھنا چاہیئے اور دونوں ہاتھوں کو پاس پاس ملا ہوا رکھنا چاہیئے اور ایسا رکھنا چاہیئے کہ گویا مونھ مانگی مراد ملنے ہی والی ہے۔ اور ہاتھوں میں ڈالی جانے والی ہے۔

بلا نازل ہونے سے پہلے ہی دعا مانگنی چاہیئے۔ مگر بلا نازل ہونے کے بعد بھی غفلت نہیں کرنی چاہیئے اور دعا مانگتے رہنا چاہیئے کیونکہ اس وقت کی دعا سے بلا کی شدّت کم ہو جاتی ہے[1]

فراخیٔ معاش

تنگیٔ معاش کو دور کرنے اور فراخی سے زندگی بسر کرنے کے لیے ہر جمعہ کی رات کو سورۂ جمعہ پڑھنی چاہیئے[2]

(۲) جو کوئی اس دعا کو سَو بار روزانہ پڑھے گا۔ دنیوی ساز و سامان کے بغیر ہی آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ گویا کہ غیب سے اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی۔ اور دعا یہ ہے:

---

[1]: سیرالاولیا صہ ۴۲۴ پ ح

[2]: سیرالاولیا صہ ۴۲۶

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[1]

حلِ مشکلات

حلِ مشکلات اور حاجت روائی کے لیے ہر فرض نماز کے بعد ستّر بار یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ انشاءاللہ مراد پوری ہوگی اور حاجت بر آئے گی:

دُعا

يَا شَفِيْقُ وَ يَا رَفِيْقُ نَجِّنِيْ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ[2]

(۲) یہ دعا بھی مقصد برآری کے لیے مفید ہے:

دُعا

يَا حَيُّ يَا حَلِيْمُ يَا عَزِيْزُ يَا كَرِيْمُ سُبْحَانَكَ يَا كَرِيْمُ
تو کنی کار صعب را سلیم بحق اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[3]

(۳) فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی میم کو اَلْحَمْد کے لام سے ملا کر بِسْمِ اللّٰهِ اور اَلْحَمْد پڑھے یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ آخر تک پڑھے۔ جس مہم کے لیے پڑھے گا۔ وہ مہم اور مشکل آسان ہو جائے گی اور مقصد پورا ہو جائے گا۔[4]

---

[1] سیر الاولیا صہ۴۲۲ پ ج

[2،3] سیر الاولیا صہ۴۳۱ پ ج

[4] عملیات سے متعلق جملہ معلومات سیر الاولیا صفحہ ۳۷۶، ۳۸۱، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۶۶، ۴۲۸، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۸۶ سے فراہم کی گئی ہیں۔

(۴) کسی مہم کے یا مشکل کے آسان ہونے کے لیے جو کوئی سورۂ مزمل بکثرت پڑھے گا اس کی مشکل آسان ہو جائے گی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔[1] نماز عصر کے بعد سے مغرب کے وقت تک یَا اللّٰہ یَا رحمٰن یا رحیم پڑھتا رہے انشاءاللہ مشکل ضرور آسان ہو جائے گی۔ ۳۷۶

مغلوبیٔ دشمن

جب کسی ظالم یا دشمن کے سامنے جانا ہو تو یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ انشاءاللہ دشمن مغلوب ہو جائے گا:

یَا سُبُّوحُ یَا قُدُّوسُ یَا فَخُوْرُ یَا وَدُوْدُ۔ ۴۲۸

نظر بد کا تعویذ

بچوں کو نظر بد سے اور شیاطین کی شرارت سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ دعا لکھ کر اور تعویذ بنا کر باندھنی چاہیئے۔ بچے کے رونے کے لیے بھی یہ تعویذ مفید ہے اور یہ دعا پڑھ کر دم بھی کی جا سکتی ہے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے لیے اس دعا کا تعویذ لکھ کر دینے کا حکم فرمایا تھا:

(دعا) اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّعَیْنٍ لَّامَّۃٍ ؕ

حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تعویذ بازو پر باندھنا چاہیئے۔ گلے میں ڈالنا اور لٹکانا نہیں چاہیئے۔ ۴۲۹

---

[1] افضل الفوائد جلد ا صہ ۹۶

Marfat.com

اسمِ اعظم

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ عربی میں اسمِ اعظم یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ ہے اور سریانی زبان میں اِھْیًا اَشْرَاھِیًا ہے۔ ۴۲۶

کھوئی چیز کا ملنا

اس دعا کو بکثرت پڑھنے سے گم شدہ چیز مل جاتی ہے:

دعا:

یَاجَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ اِجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ ۴۲۸

تعویذ شفاء مریض

اَللّٰہُ شَافِیْ اَللّٰہُ کَافِیْ اَللّٰہُ مُعَافِیْ۔ یہ لکھ کر تعویذ دے دینا چاہیئے انشاء اللہ مریض تندرست ہو جائے گا۔ ۴۳۱

استغفار

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی نماز جمعہ کے بعد ستّر بار یہ دعا پڑھے گا وہ مخلوق کا محتاج نہ ہوگا:

دُعا:

اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۳۸۶

Marfat.com

مقبولیتِ نماز

نماز کے قبول ہونے کے لیے ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھنی چاہیئے :

دُعا :

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ؎۲۳۲

ملفوظات

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ارشادات و ملفوظات بکثرت ہیں اور کئی کتابوں میں ہیں۔ ان میں سے افضل الفوائد مرتبہ حضرت امیر خسروؒ، فوائد الفواد مرتبہ حضرت امیر حسن علا سنجریؒ اور سیر الاولیا؎، امیر خورد سید محمد کرمانیؒ مستند اور معتبر ہیں۔ یہاں ملفوظات میں سے تبرکاً بعض مقولے نقل کیے جاتے ہیں۔ ملفوظات سے مستفید ہونے کے لیے مذکورہ کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ترکِ دنیا یہ نہیں کہ ننگ دھڑنگ ہو لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترکِ دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے اور جو کچھ میسر آئے اس پر قناعت کرے، جمع کرنے کی فکر نہ کرے اور دل کو کسی چیز کی طرف مائل نہ ہونے دے ؎۱

حـ : سیر الاولیا، کا چرنجی لال ایڈیشن اور وہ نسخہ جو ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا گیا تھا غیر مستند ہے کیونکہ ان میں الحاق بھی ہے اور تحریف بھی مگر ہم نے حتی الامکان تصحیح کے بعد چرنجی لال ایڈیشن سے مدد لی ہے (اخلاق)

؎۱ : فوائد الفوائد جلد ۱ ص ۹

Marfat.com

بس خدا ہی سے لو لگاتے رہے۔

ہمت بلند رکھنی چاہیئے، دنیا کے جھمیلوں سے الگ رہنا چاہیئے، اور خواہشات سے بچے رہنا چاہیئے[1]

کوئی ایسا نہیں جس نے کسی بُری چیز کو چھوڑا ہو۔ اور اسے اچھی چیز نہ ملی ہو[2]

راز فاش کرنے سے محرومی ہوتی ہے اور فاش کرنے والا کسی اور راز کے لائق نہیں رہتا اس لیے راز اور سرِ الٰہی کو ظاہر کرنا نہیں چاہیئے[3]

اپنے مکان میں ایک سیپارہ پڑھنا مسجد میں پورا قرآن پاک ختم کرنے سے افضل ہے[4]

قرآن پاک پڑھنے والے کو جب کسی آیت کی تلاوت میں کیف حاصل ہو تو اسے بار بار پڑھنا چاہیئے اور لطف اندوز ہونا چاہیئے[5]

ایمان کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ مرتے وقت مرنے والے کا چہرہ زرد ہو جائے اور ماتھے پر پسینہ آجائے[6]

مال جمع کرنا نہیں چاہیئے۔ البتہ بقدر ضرورت رکھا جا سکتا ہے جیسے تن پوشی کے لیے کپڑے وغیرہ لیکن کثرت نہ ہو۔ بلکہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ ورنہ جو کچھ ملے اسے خرچ کر دینا چاہیئے[7]

جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے۔ خواہ سب ہی کچھ کیوں نہ ہو

---

[1] تا [5]: فوائد الفواد جلد ا ص ۹، ۱۱، ۱۲، ۲۴، ۳۶۔

[6]: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۴۵

[7]: فوائد الفواد جلد ۴ ص ۱۹۰

وہ اسراف نہیں ہے۔ لیکن جو خدا کے لیے خرچ نہ کیا جائے خواہ کتنا ہی ہو وہ اسراف ہے[1]

مالی عبادت ہو یا بدنی یا مخلوق سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ہو اگر اس میں سے ایک بھی قبول ہو گئی۔ تو اس کے صدقے میں سب کام بن جاتے ہیں[2]

سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں لیکن یہ کسی کو خبر نہیں کہ یہ قفل کھلے گا کس سے۔ لہٰذا سب ہی سے کھولنے کی کوشش کرنی چاہیئے اگر ایک سے نہ کھلے گا تو دوسری سے تیسری سے کسی نہ کسی کنجی سے تو کھل ہی جائے گا[3]

متقی وہ ہے جس نے گناہ کی لذّت نہ چکھی ہو۔ اور تائب وہ ہے جس نے مزہ چکھنے کے بعد اُسے چھوڑا ہو۔ بہر حال متقی کا مرتبہ تائب سے بلند ہے[4]

قبر جب بوسیدہ ہو جائے تو مرمّت کرانے یا دوبارہ تعمیر کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قبر جس قدر بوسیدہ ہو گی صاحبِ قبر اتنا ہی امیدوارِ رحمت ہو گا[5]

ذکرِ جہر سے ذکرِ خفی بہتر ہے۔ صحابہ کرامؓ قرآن پاک اس طرح پڑھتے تھے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ جب وہ آیتِ سجدہ پر پہنچتے اور سجدہ کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ قرآنِ پاک پڑھ رہے ہیں[6]

آپ نے فرمایا: کشندہ کشندہ باشد برداشت کرنے والا مارڈالتا ہے[7]

---

[1] تا [6]: فوائد الفواد جلد ۴ صہ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ ، ۲۱۰ ، ۲۱۶ ، ۲۳۰
[7]: افضل الفوائد جلد ۱ صہ ۷۷

آپ نے یہ حدیث شریف بھی بیان فرمائی :

"من صلی خلف عالم تقیّ کانہ صلی خلف نبی مرسل"

(جس نے عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا نبیٔ مرسل کے پیچھے نماز پڑھی)[1]

سلوک کے سو مقامات ہیں۔ سترھواں مقام کشف و کرامت ہے۔ اگر سالک یہیں رہ گیا تو تراسی[۸۳] مقام کب طے کر سکتا ہے[2]

مرید وہ ہے جو اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دے[3]

اگرچہ سالک سے راہ سلوک میں لغزش ہو جائے۔ لیکن ذوق کسی قدر باقی رہے اور توبہ کر کے جلد اسے حاصل کر لے تو اسے سلوک کا وہی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے جو اسے حاصل تھا[4]

اگر مرید شیخ سے کہے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور شیخ کہے کہ تم میرے مرید نہیں ہو تو وہ واقعہ میں مرید ہے۔ اور اگر شیخ یہ کہے کہ تم میرے مرید ہو اور مرید نہ مانے تو وہ مرید نہیں ہے۔ کیونکہ ارادت مرید کا فعل ہے[5]

حدیث شریف میں ہے : اَلْوُضُوْءُ سِرٌّ مِنْ اَسْرَارِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (وضو اللہ تعالٰے کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔)[6]

ذکر کرنے والے کا مقصد اگرچہ جلد حاصل ہو جاتا ہے لیکن زوال

---

[1] : فوائد الفواد جلد ۵ ص ۲۳۵

[2] : فوائد الفواد جلد ۴ ص ۱۱۷

[3] تا [6] سیر الاولیاء ص ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۶، ۳۷۳

کا کھٹکا رہتا ہے اور اگرچہ تلاوتِ قرآن کرنے والے کا مقصود دیر میں حاصل ہوتا ہے لیکن خوفِ زوال نہیں ہوتا[۱]

کھانا دینا ہر مذہب میں پسندیدہ ہے۔ ایک درہم کا کھانا پکا کر دوستوں کو کھلانا بیس درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے[۲]

مشائخ طریقت کی اصطلاح میں دل کا جمالِ حق کو مشاہدہ کرنا مراقبہ ہے۔۔۔ اور ذکرِ خفی مراقبہ سے ستّر مرتبہ بلند ہے[۳]

عقل ایک فطری نور ہے جو سننے اور حاصل کرنے سے ترقی کرتا ہے[۴]

اگر کوئی دل میں کہے میں یہ کرتا ہوں یا ایسا کروں گا تو یہ نیت نہیں ہے بلکہ حدیثِ نفس ہے یعنی دل کی بات چیت ہے۔ نیت تو یہ ہے کہ دل میں کوئی بات بطور الہام پیدا ہو اور آمادہ عمل کردے[۵]

اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کی فطرت میں اہلیت و خاصیتِ خاص محفوظ فرمائی ہے جس کی بدولت وہ حق کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہوتا ہے اور جب اس اہلیت کے اثر سے وہ کوئی کام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کے دل کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ تو اسی کو توفیق کہتے ہیں۔ اور جب کوئی طلبِ حق کے عمل میں ثابت قدم رہتا ہے۔ تو اسے ہمت کہتے ہیں۔ ہمت ہی سعادت کے قفل کی کنجی ہے[۶]

اگرچہ یہ چند باتیں ملفوظات کا ایک شمّہ بھی نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی اس قدر برگزیدہ اور کارآمد ہیں کہ اگر کوئی ہدایت حاصل کرنا چاہے تو بخوبی حاصل کرسکتا ہے۔ خداوندِ عالم بزرگانِ دین کے وسیلہ سے ہم سب کو ہدایت کی توفیق عنایت فرمائے! آمین۔

---

[۱] تا [۶]: سفینۃ الاولیاء ص ۴۰۹، ۴۴۶، ۴۴۷، ۵۴۱، ۵۴۸، ۵۶۱، ۵۶۲۔

Marfat.com

علالت

وصال سے ٹھیک چالیس دن پہلے جمعہ[1] کا دن تھا۔ نماز جمعہ ہی میں حضرت محبوب الٰہیؒ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور آپ کا مبارک دل تجلّی کے نور سے روشن ہوگیا۔ آپ نے نماز ہی میں رب العالمین کو بار بار سجدے کیے نماز سے فارغ ہوئے تو حجرے میں تشریف لے گئے۔ انوارِ الٰہی سے دل منور تھا۔ تحیّر اور رقت وگریہ کی کیفیت طاری تھی۔ جب ذرا طبیعت بحال ہوتی تو دریافت فرماتے کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ اگر حاضرین یہ کہتے کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے۔ تو آپ فرماتے کہ اچھا ایک دفعہ اور پڑھ لوں۔ اور نماز ادا فرماتے۔ پھر کیفیت طاری ہو جاتی اور غفلت سی چھا جاتی جیسے آپ کہیں چلے گئے ہیں۔ پھر ہوش میں آتے تو فرماتے کہ آج جمعہ ہے۔ ہم سب نے نماز پڑھ لی ہے؟ کبھی فرماتے: آج جمعہ ہے دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے۔ یہ بھی فرماتے:

ع میرویم ومیرویم ومیرویم[2]

بیماری کے دنوں میں شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانیؒ مزاج پرسی کو تشریف لائے۔ تو آپ نے ان سے نہایت اطمینان سے گفتگو کی اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ میں نے نبیِ کریم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں نظام! ہمیں تمہارا اشتیاق بہت زیادہ ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا رکن الدین ملتانیؒ اور حاضرین سب زار و قطار رونے لگے[3]

---

[1] : چالیس دن پہلے ۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء اور جمعہ کا دن ہونا چاہیئے اور یہ بروئے تقویم صحیح ہے۔

[2] : سیرالاولیا ص ۱۵۲، ۱۵۳

[3] : سیرالاولیا ص ۱۴۱

Marfat.com

بیماری ہی کے دنوں میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ایک دن جملہ اقربا کو اور خدمت گاروں کو اور مریدوں کو جو حاضر تھے طلب فرمایا۔ اور ان سب کے سامنے خواجہ اقبالؒ کو حکم دیا کہ جو کچھ بھی ہے سب راہِ خدا میں لٹا دو اور حاضرین سے فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر کچھ بھی اس نے بچایا تو روزِ قیامت یہی جواب دہ ہوگا۔ خواجہ اقبالؒ نے سب کچھ تو لٹا دیا لیکن درویشوں کے لیے تھوڑا سا غلّہ بچا رکھا۔ جب آپ کو علم ہوا تو آپ ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ ابھی سب کچھ لٹا دیا جائے۔ لہٰذا مخلوق کو طلب کیا گیا، بے شمار مخلوق آگئی۔ اور ذرا سی دیر میں جھاڑو سی دے دی اور آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا۔[1]

اسی بیماری میں ایک دن دوست اور خدمت گار حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے کیا خوب فرمایا: تمھیں میرے روضے سے اتنا مل جایا کرے گا کہ تمھیں کافی ہوگا۔[2] یہ بھی دریافت کیا کہ تقسیم کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا: کسے کہ از سرِ نصیب خود برخیزد (یعنی جو اپنا حصہ چھوڑ دے گا۔ آپ سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ آخری آرام گاہ کے لیے عقیدت مندوں نے بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر کرائی ہیں اور آرزو مند ہیں کہ آپ ان میں سے کسی میں آرام فرمانا منظور فرمائیں۔ جب مولانا شمس الدین دامغانیؒ یہ عرض کر چکے تو آپ نے فرمایا، مولانا! میں کسی عمارت میں آرام کرنے کے لائق نہیں ہوں میں تو صحرا میں سوؤں گا۔ لہٰذا آپ ہی کے ارشاد کی تعمیل کی گئی اور اُسی جنگل ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

۲ء: سیر الاولیا صہ ۱۵۳ یہ بھی کیا عبرت ناک منظر ہوگا۔ ایک بندہ خدا جو اتفاق سے ولی و سرپرست بھی ہے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہا ہے۔ نزع کا عالم ہے۔ خدا سے لو لگی ہے۔ ایسے نازک وقت میں خدام و احباب کو پیٹ کی پڑی ہے۔ پیٹ کی دوزخ کو بھرنے کے لیے نذر و نیاز کی آمدنی مل چکی ہے۔ اب سب پر حاوی ہونے کی لگی ہے۔ سوال کا وہ برجستہ جواب ملتا ہے کہ مونھ تکتے رہ جاتے ہیں۔

Marfat.com

وصال

پورے چالیس[۴] دن آپ بیمار رہے۔ ان دنوں میں آپ نے کچھ بھی کھایا پیا نہیں بلکہ بُو تک بھی نہیں سونگھی۔ البتہ گریہ وزاری بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ آخری دن نُور کی ایک تحریر سینۂ مبارک پر نمودار ہوئی۔ اور بدھ کے دن طلوع آفتاب کے بعد ۱۰ ربیع الآخر ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء کو آپ واصل بحق ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ظہر کے وقت آپ کو آپ کے حظیرے میں جس سے خلد بریں کی یاد تازہ ہوتی تھی جوار رحمت میں سپرد کیا[۱]۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا خرقہ آپ کو اُوڑھایا گیا اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا مصلیٰ آپ کے سرہانے رکھا گیا[۲]۔ اور ان تحفوں کے ساتھ آپ کو رخصت کیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

نظام دو گیتی شہ ما وطیں
سراجِ دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب
ندا داد ہاتف شہنشاہِ دیں ۷۲۵

۱: سیر الاولیا صہ ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵۔ سیرت نظامی صہ ۲۱۵ میں لکھا ہے کہ آخر بدھ کے روز نماز عصر پڑھ کر مغرب سے پہلے وفات پائی پھر دو سطروں کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اٹھارہ ماہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ روز چہار شنبہ بعد طلوع آفتاب حضرت محبوب الٰہی جوار رحمت رب العلمین داخل ہوئے۔ سبحان اللہ کیا تحقیق ہے۔

۲: سیر الاولیا، صہ ۳۴۲ پ۔ مگر شواہد نظامی صہ ۱۴۲ میں عصا کا اضافہ ہے۔

Marfat.com

خلفاء

حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلفا بھی بکثرت تھے۔ جو مختلف شہروں میں اور مرکزی مقامات میں تبلیغ وہدایت کی خدمات انجام دیتے تھے۔ جن کی کوششوں کی برکت سے ہندوستان کی سرزمین اپنے رب کی جوت سے جگمگا اٹھی تھی۔

مولانا محمد غوثی شطاریؒ لکھتے ہیں:

> آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کیے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا[۱]

یہ تو صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے بکثرت خلفاء تھے۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ ان سب بزرگوں کے حالات دستیاب نہیں ہوتے لہٰذا صرف ان خلفاء کے ذکر خیر پر اکتفا کیا جاتا ہے جن کا ذکر سیر الاولیا کے اوراق کی زینت ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰؒ:

(آپ) بہت ہی زبردست عالم تھے۔ مشارق الانوار[۲] کی شرح لکھی ہے۔ سلسلہ کا وقار ان کے دم سے قائم تھا۔ شادی بھی نہیں کی تھی۔ سلطان محمد تغلق نے جبراً کشمیر بھیجنا چاہا تھا، مگر آپ کو منظور نہ تھا۔ قضا عنداللہ روانگی کا وقت آیا تو سینے میں پھوڑا نکل آیا اور اسی بیماری میں آپ کا وصال ہوگیا۔ مزار پُرانوار چبوترہ یاراں پر ہے جو بری کے گنبد سے جانب شمال ہے[۳]

۱: گلزار ابرار قلمی صہ ۱۱۷

۲: اخبار الاخیار صہ ۹۶

۳: سیر الاولیاء صہ ۲۲۳ تا ۲۳۶ چ

Marfat.com

سال وفات ۷۴۷ھ / ۱۳۴۶ء ہے [1]

(۲) مخدوم نصیر الدین چراغ دلّیؒ:

آپ ظاہر و باطن میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی پیروی کرتے تھے۔ اور یہ مقام و مرتبہ آپ کے سوا اور کسی کو حاصل نہ تھا۔ آپ کی مبارک مجلس میں وہی کیفیت حاصل ہوتی تھی جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی مجالس میں نصیب ہوتی تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے حکم دیا تھا کہ تمھیں خلق میں رہنا چاہیئے اور ظلم و ستم سہنے چاہیئں اور مہربانی سے پیش آنا چاہیئے۔ اور آپ نے اس پر عمل کیا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں اور آپ نے خندہ پیشانی سے ان سب کو برداشت کیا۔ آپ جیّد عالم تھے اور علمار و مشائخ اور عوام آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ اٹھارہ رمضان ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء کو وصال ہوا[2]۔ طالب اللہ واقف اسرار مادۂ تاریخ ہے۔ چراغ دلّی میں مزار پُرانوار ہے۔ اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے[3]

(۳) شیخ حسام الدین ملتانیؒ:

آپ علم اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ علم فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ہدایہ کی دونوں جلدیں حفظ تھیں۔ تصوّف میں قوت القلوب اور احیا العلوم ازبر تھیں۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے انھیں شہر میں رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اسی پر ان کا عمل تھا۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ شہر دہلی در حمایتِ اوست (دلی شہر ان کی حمایت میں ہے) لیکن جب سلطان محمد تغلق نے علمار و مشائخ کو دلّی سے نکالا تو انھیں بھی گجرات جانا پڑا[4] اور وہیں ۸ ذی قعدہ ۷۳۶ھ / ۱۳۳۶ء

---

[1]: خزینۃ الاصفیا، جلد ۱ ص ۳۴۹

[2]: تاریخ نظامی ص ۴۲ میں مادۂ تاریخ شمع جمع صوفیاں لکھا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس سے ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء نہیں ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸ء برآمد ہوتا ہے۔

[3]: سیر الاولیا، ص ۲۳۶ تا ۲۴۷ چ

[4]: سیر الاولیا، ص ۲۵۶ تا ۲۶۲ چ

میں وصال ہوا۔ گجرات کے شہر پٹن میں آپ کا مزار پُرانوار ہے [۱]

(۴) مولانا علاء الدین نیلی رح :

(آپ) اودھ کے مشہور عالم تھے۔ ان کی تقریر میں جادو کا سا اثر تھا۔ جید عالم آپ کی تقریر سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ کشاف اور مفتاح کی باریکیاں خوب سلجھا کر بیان کرتے تھے۔ آپ کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ مگر آپ نے حضرت محبوب الٰہی رح کے ملفوظات کی کتاب فوائد فواد کو نقل کر لیا تھا اور اسی کو پڑھتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری نجات اسی میں ہے۔ اندرونی گنبد دہلیز کے سامنے چبوترہ یاراں میں آپ کا مزار پُرانوار [۲] ہے۔ سالِ وفات ۷۶۲ھ ۱۳۶۰ء ہے [۳]

(۵) مولانا فخر الدین زرادی رح

حضرت محبوبِ الٰہی رح کے معزز خلیفہ تھے۔ علم مناظرہ اور حدیث میں کمال حاصل تھا۔ اور علامۂ عصر مانے جاتے تھے۔ ترک و تجرید میں بھی یگانہ تھے۔ شادی بھی نہیں کی تھی تمام عمر حضرت محبوبِ الٰہی رح کی خدمت میں گزاری۔ حضرت کے وصال کے بعد کوہ و بیابان میں مشغولِ حق رہتے اور تہہ کے روزے رکھتے تھے۔ محفلِ سماع میں شریک تھے اور قاضی کمال الدین صدر جہاں سے آپ ہی نے مناظرہ کیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو آپ نے فرمایا: غصّے کو پی جایا کرو۔ اس نے کہا: کیسے غصّے کو۔ آپ نے فرمایا: درندوں جیسے غصّے کو۔ بادشاہ کو غصّہ تو بہت آیا مگر کچھ کر نہ سکا۔

---

[۱] : مرآت احمدی (تاریخ گجرات) جلد ۲ صہ ۷۴

[۲] : سیر الاولیاء صہ ۲۷۵ تا ۲۷۸ ج

[۳] : خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ صہ ۳۶۱

Marfat.com

اور اکثر یہ کہتا اور افسوس کرتا تھا کہ زرادیؒ میری خون آشام تلوار سے بچ کر نکل گیا۔ آپ نے سماع کے متعلق دو رسالے لکھے ہیں۔ جب سلطان محمد تغلق نے دلی کو اجاڑا تو آپ کو بھی دیلوگیر (دولت آباد دکن)، جانا پڑا۔ وہاں سے آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے واپسی میں جہاز ڈوب گیا۔ اور آپ بھی سب کے ساتھ اللہ کے پیارے ہوئے[1]

(۶) خواجہ محمد امامؒ

آپ مولانا بدرالدین اسحاق دہلویؒ کے صاحبزادے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے نواسے تھے۔ پرورش اور تعلیم و تربیت حضرت محبوب الٰہیؒ کی نگرانی میں پائی تھی۔ تقویٰ و طہارت ذوق و شوق اور علم و فضل میں بے مثل تھے اور حافظ قرآن پاک بھی تھے۔ بچپن سے بڑھاپے تک حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں رہے۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے اپنی حیات ہی میں آپ کو خلافت عنایت فرمادی تھی اور آپ حضرت کی حیات ہی میں بیعت لینے لگے تھے۔ آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو اتنے عزیز تھے کہ مجالس میں کوئی شخص آپ سے آگے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے نزدیک نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی نماز باجماعت کی امامت کے عہدے پر بھی سرفراز تھے۔ اسی لیے آپ آج تک خواجہ محمد امامؒ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ انوار المجالس آپ کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ملفوظات جمع فرماتے تھے اور جواب نایاب ہے۔ حظیرہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ میں مزار پُرانوار ہے[2]۔ جو اب چوسٹھ کھمبے کے مغربی دروازے کے سامنے ہے۔ ۶، ۷، رجمادی الآخر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ سالِ وصال ۷۳۴ھ ۱۳۳۶ء بتایا جاتا ہے۔

---

[1]: سیر الاولیا صد ۲۷۴ تا ۲۷۵

[2]: سیر الاولیا صد ۲۰۰، ۲۰۱ پ

(۷) مولانا شہاب الدّین امامؒ

جب آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے بیعت ہوئے تو جماعت خانہ میں ایک چھوٹا سا حجرہ آپ کو رہنے کے لیے دے دیا گیا۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے پسر خواہر زادۂ حقیقی خواجہ تقی الدّین نوحؒ کی تعلیم کی خدمت آپ کو سونپی گئی۔ مولانا شہاب الدّین امام عالم اور عابد و زاہد بھی تھے اور خدائے پاک نے آپ کو لحن داؤدی بھی عنایت فرمائی تھی ایسے خوش الحان تھے کہ پرندہوا میں اور چوپائے زمین پر آپ کی آواز سن کر مست ہو جاتے تھے۔ خواجہ محمدؒ امام کی عدم موجودگی میں آپ ہی حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی امامت فرماتے تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے بعد آپ بھی دیوگیر (دولت آباد) چلے گئے تھے۔ جب اہلِ دلّی کو واپسی کی اجازت ہوئی۔ تو آپ بھی دلّی چلے آئے۔ دلّی ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ اور شہر دلّی کے فصیل کے سامنے اپنے مکان کے پاس دفن ہوئے[۱]۔ ۲۴۰/ شوال ۷۵۶ھ تاریخ وفات ہے۔

(۸) قاضی محی الدّین کاشانیؒ

علم وفضل اور زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ اور قاضی قطب الدّین کاشانیؒ کے نبیسہ تھے

۱؎ ۔ نظامی بنسری صہ ۲۸۴ میں مولانا شہاب الدّین امامؒ کا مزار درگاہ کے مشرقی دروازے کے پاس بتایا ہے مگر یہ غلط ہے۔ مولانا شہاب الدّین امامؒ کا مزار جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے خلیفہ بھی تھے بالاتفاق لاڈو سرائے میں ہے جو مہرولی تا تغلق آباد سڑک سے جانب شمال ہے ادھر ہی قدیم فصیل اور شہر دلّی کا بدایوں دروازہ تھا۔ میر خورد کرمانی کے لفظ یہ ہیں: در فنائے شہر دہلی در جوار خانہ خود مدفون گشت۔۔۔ (سیر الاولیا صہ ۲۹۰ تا ۲۹۲ چ) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ ۳ صہ ۳۵۷ مزارات اولیائے دہلی، صہ ۸۴-۸۸۔ رہنمائے مقامات مقدس صہ ۹ تذکرہ اولیائے ہند جلد ا صہ ۱۱۵ روضۂ اقطاب صہ ۸۷ مطلوب الطالبین صہ ۱۵۰۔ شواہد نظامی صہ ۱۷۰

Marfat.com

اور استاد شہر تھے اور آپ کا اثر و رسوخ بھی بہت مفید تھا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی نگاہ میں آپ کی بڑی عزّت تھی۔ چنانچہ جب آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت محبوبِ الٰہیؒ تعظیماً پورے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور یہ عظمت یارانِ اعلیٰ میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں تھی۔ اور ان بزرگ کی برکت سے مجلس دیر تک جمی رہتی تھی اور اہلِ ذوق آپ کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ آپ محضر سماع میں بھی شریک تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی حیات ہی میں آپ کا وصال[2] ہو گیا تھا۔ ۱۴/ ۱۵ ربیع الاول کو آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے[3]۔

یہ خلفا تھے جن سے پایۂ تخت دلّی میں روحانیت کا مرکزی نظام وابستہ تھا اور جو سلطان محمد تغلق کے ہاتھوں منتشر ہوا۔

(۹) مولانا وجیہ الدّین یوسف چندیریؒ

آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے سب سے پہلے خلیفہ تھے اور زہد و تقویٰ میں بے مثل تھے۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے بہت زیادہ عقیدت مند تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ فرماتے تھے کہ درویشی کی راہ و روش میں مولانا یوسف بے مثل ہیں اور وہ ثابت قدم سالکوں کی مثل

لہ[1]: خزینۃ الاصفیاء جلد ا صہ ۳۴۳

لہ[2]: سیر الاولیا صہ ۲۱۴ تا ۲۱۶ پ ج

لہ[3]: خزینۃ الاصفیا جلد ا صہ ۳۲۵ میں سال وفات ۷۱۹ھ لکھا ہے مگر یہ غلط ہے کیوں کہ آپ محضر سماع میں شریک تھے اور محضر سماع سے چار سال بعد سلطان محمد تغلق نے دلی والوں کو دیوگیر بھیجا تھا۔ (سیر الاولیا صہ ۵۳۲) اور بقول بدایونی یہ نقل مکانی ۷۲۷ھ/۱۳۲۶ء میں ہوئی تھی گویا کہ محضر سماع ۷۲۳ھ/۱۳۲۲ء میں ہوا تھا لہٰذا قاضی کاشانی کی وفات ۷۲۳ھ/۱۳۲۳ء و ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء کے درمیان واقع ہوئی ہوگی۔ اس سے نظامی بنسری صہ ۲۹۳ کا شبہ بھی درست نہیں رہتا۔

عمل کرتے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کو اپنی اجازت سے سرفراز فرماکر چندیری بھیج دیا تھا۔ اور وہاں کے رہنے والے جس قدر بھی آپ کی خدمت میں بیعت ہونے کیلئے حاضر ہوتے تو آپ ان سے فرماتے کہ چندیری میں مولانا محمد یوسفؒ سے بیعت ہو جاؤ، اور یہی تصوّر کرو کہ گویا مجھ ہی سے بیعت ہو گئے ہو۔ چندیری ہی میں مولانا یوسفؒ کا وصال ہوا۔ وہیں مزار ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے[۱]۔ سال وفات ۷۲۹ھ/۱۳۲۸ء ہے[۲]

۱۰ مولانا برہان الدّین غریبؒ

آپ بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ابتدائی مریدوں میں تھے۔ اور آپ کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بہت عقیدت تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے کبھی غیاث پور کی طرف پیٹھ نہیں کی۔ شہر برہان پور آپ ہی کے نام پر آباد کیا گیا تھا۔ بہت ضعیف العمر تھے۔ دکن کی ولایت آپ ہی کو سونپی گئی تھی۔ اور چار سو مریدوں کی جماعت کے ساتھ آپ کو دکن بھیجا گیا تھا۔ دیوگیر (دولت آباد) ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔ اور آج تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے[۳]۔ سال وفات ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء ہے[۴]

۱۱ شیخ قطب الدّین منورؒ

آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت جمال ہانسویؒ کے پوتے تھے۔ خلافت کے وقت حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کو اور مخدوم نصیر الدّین چراغ دلّی کو بہم مبارک باد دینے اور گلے ملنے کے لیے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ دونوں بھائی بھائی ہو۔

---

[۱]: سیر الاولیاء صہ ۲۸۲ تا ۲۸۸

[۲]: خزینۃ الاصفیا جلد ۱ صہ ۳۴۲

[۳]: سیر الاولیا صہ ۲۷۸ تا ۲۸۲

[۴]: خزینۃ الاصفیا جلد ۱ صہ ۳۴۸

Marfat.com

یہ بزرگ نہایت متقی پرہیزگار اور متوکل تھے اور بلند پایہ عالم بھی تھے اور صرف نماز جمعہ اور اپنے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لیے گھر سے باہر آتے تھے ورنہ نہیں۔ گھر ہی میں رہ کر مخلوق کی راہ نمائی فرماتے تھے۔ ہریانہ کی ولایت آپ کے سپرد تھی۔ اور شب و روز مخلوق آپ کے در دولت پر حاضر ہوتی اور فیض پاتی تھی۔

سلطان محمد تغلق نے جبراً آپ کو دلّی بلوایا اور جب آپ سے ملاقات کی اور ہاتھ ملایا تو آپ نے بڑی سختی سے ہاتھ کی گرفت کی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ سلطان کے دل سے دشمنی کا جذبہ فوراً ہی زائل ہو گیا۔ اور وہ آپ کا مداح و معتقد ہو گیا۔[1] آپ کا مزار پر انوار ہانسی ضلع حصار میں ہے اور خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ تاریخ وصال ۲۶ ذی قعدہ ۷۵۵ھ / ۱۲۵۶ء ہے۔[2] سلسلہ جمالیہ آپ ہی سے جاری ہے۔ جو دراصل نظامیہ منوریہ ہے۔

۱۲ مولانا سراج الدین عثمانؒ

آپ اخی سراج کے نام سے مشہور تھے اور لکھنوتی (بنگال) کے رہنے والے تھے نو عمری ہی میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ہی کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کے متعلق حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا ارشاد ہے کہ ایں آئینہ ہندوستان است[3] یعنی یہ آئینہ ہندوستان ہیں۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے وصال کے بعد تین سال تک درگاہ شریف میں خواجہ جہاں مرحوم کے گنبد میں مقیم رہے اور جب سلطان محمد تغلق نے دلّی والوں کو دیوگیر (دولت آباد) بھیجا تو آپ بھی دلّی سے

ل: سیر الاولیاء صہ ۲۴۷ صہ ۲۵۶ پ ح

سے۲: تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف صہ ۸۶

سے۳: سیر الاولیا کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اس زمانے میں مشرقی یوپی اودھ۔ بہار اور بنگال کو ہندوستان کہتے تھے۔ اور ان علاقوں کے رہنے والوں کو ہندوستانی کہتے تھے۔

لکھنوتی چلے گئے اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے کتب خانہ سے جو وقف تھا، تعلیم و تعلم کے لیے کچھ کتابیں بھی ساتھ لے گئے تھے جو تبرکات آپ کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے عنایت فرمائے تھے۔ آخری عمر میں آپ نے انھیں بڑے احترام سے ایک قبر میں دفن کیا اور اس کے بائیں اپنے لیے قبر بنوائی اور اسی میں دفن ہوئے[۱] مزار پُر انوار آپ کا پنڈوہ بنگال میں ہے اور خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ بنگال و بہار اور اودھ میں آپ کے سلسلے نے فروغ پایا۔ سال وفات ۷۵۶ھ ۱۳۵۶ء ہے[۲]

یہ وہ بزرگ خلفا تھے جو دلّی کے مرکز کے ماتحت علاقائی مرکزوں میں دینی اور روحانی تبلیغ کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے بزرگ مختلف علاقوں میں مصروف کار تھے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ غرض کہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام ہو رہا تھا کہ ایکا ایکی حالات نے رُخ بدلا۔ دلّی اجڑی اور علاقائی مرکزوں کو تقویت نصیب ہوئی۔

علاقائی مراکز

حضرت محبوب الٰہیؒ کی حیات ہی میں اور آپ ہی کی منشا کے مطابق علاقائی مرکز قائم ہو چکے تھے۔ اور آپ کے خلفا اور مریدین بڑے بڑے شہروں میں دینی و روحانی تبلیغ کی خدمات خاطر خواہ انجام دے رہے تھے۔ مگر دلّی کی مرکزی نورانیت کے سامنے ان کی روشنی مدھم تھی۔ اور سب کی نگاہیں دلّی ہی کے مرکز کو تکتی رہتی تھیں۔ لیکن جب سلطان محمد تغلق کی خون آشام خصلت کی بدولت دلّی کا نظام درہم برہم ہوا تو علاقائی مرکزوں کو تقویت

۱: سیر الاولیا، صہ ۱۸۸ تا صہ ۲۹۰

۲: خزینۃ الاصفیا جلد ۱ صہ ۲۵۸

Marfat.com

پہنچی اور علاقہ کا پورا بوجھ انھیں خود سنبھالنا پڑا۔ اور اس میں انھیں کامیابی نصیب ہوئی مگر دلّی کی سی جامعیت کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ الغرض ان مرکزوں کی اور ان سے وابستہ بزرگوں کی مختصر سی فہرست یہ ہے :

(۱) مالوہ : مولانا وجیہہ الدین یوسفؒ چندیری، مولانا کمال الدینؒ، مولانا مغیث الدین اجینؒ۔

(۲) گجرات : مولانا حسام الدین ملتانیؒ پٹن، مخدوم سید حسین دیہوئی، شاہ بارک اللہؒ نہروالہ۔

(۳) دکن : مولانا برہان الدین غریبؒ، دیوگیر (دولت آباد)

(۴) بنگال : مولانا سراج الدین عثمان معروف اخی سراجؒ پنڈوہ

(۵) ہریانہ : شیخ قطب الدین منورؒ ہانسی

مخصوص مریدین

خلفار کے علاوہ بعض مرید بھی ایسے باکمال تھے جو مخصوص شخصیت کے مالک تھے اور دلّی ہی میں رہتے تھے۔ ان کی شخصیت کے اثر و رسوخ سے بھی علمی و اخلاقی قدروں کو تقویت حاصل ہوئی۔ ان میں سے یہ پانچ بزرگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں :

(۱) حضرت امیر خسروؒ

(۲) مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ

(۳) مولانا فخر الدین مروزیؒ

(۴) خواجہ ضیا الدین برنیؒ مؤلف تاریخ فیروز شاہی۔

(۵) امیر حسن علا سنجریؒ مرتب فوائد الفواد

Marfat.com

زیرِ تربیت

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے بعض مرید ایسے بھی تھے جنھیں خلافت[1] کا منصب تو عنایت ہوا نہیں تھا لیکن ان کی تربیت کی طرف خاص توجہ تھی۔ اور وہ شیخ کی صحبت اور خدمت کی برکت سے ایسی خوبیوں کے مالک ہو گئے تھے گویا وہ مجسمۂ اخلاق واوصاف ہیں۔ خواجہ عزیز الدین بن یعقوبؒ، شیخ کبیر الدین صوفی، خواجہ کمال الدین کرمانیؒ، خواجہ رفیع الدین ہارونؒ اور خواجہ ابوبکر مصلّی دار خاصؒ ایسے ہی باکمال بزرگوں میں سے تھے۔ ہم یہاں صرف دو بزرگوں کا مختصر حال لکھتے ہیں:

(۱) خواجہ رفیع الدین ہارونؒ

آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے پسرِ خواہر زادہ حقیقی[2] تھے۔ آپ کا ذکرِ خیر تکملۂ اقربا میں سب سے پہلے آتا ہے۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ خود بھی تمام اقربا میں آپ ہی کو مقدم[3] رکھتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہی کو قرابتِ قریبہ کا شرف حاصل تھا۔ بچپن ہی سے حضرت محبوب الٰہیؒ کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی۔ تنہائی میں ہوں یا مجلس میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ آپ کو گود میں لیتے اور بڑے پیار سے باتیں کیا کرتے تھے حضرت ہی کی سرپرستی میں آپ نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور قرآنِ پاک حفظ فرمایا۔

---

[1] : تاریخ مشائخ چشت ص ۲۸۷

[2] : کسی نے حقیقی بھانجے کا بیٹا اور کسی نے حقیقی بھانجی کا بیٹا لکھا ہے اور کسی نے بھانجے ہی لکھا ہے مطلوب الطالبین قلمی ص ۱۴۲۔ شواہد نظامی ص ۱۶۶۔ حیات نظامی طبع اول ص ۵۲۔ ترجمہ سیر الاولیاء بریاں ص ۲۰۹۔ گلزار ابرار ص ۱۳۷

[3] : از جملہ اقربائے خویش اول ایں بزرگ را مقدم داشتے (سیر الاولیا ص ۲۰۳ ج)

آپ کو تیر وکمان، سیر وشکار اور کشتی کا بڑا شوق تھا[1] اور حضرت کو آپ کی خاطر اتنی منظور تھی کہ کبھی منع نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کی دلجوئی کے لیے ان جائز فنون کی باریکیاں آپ کو سمجھاتے تھے۔ کھانے کے وقت اگر آپ موجود نہ ہوتے تو ان بزرگوں کے موجود ہونے کے باوجود آپ کا انتظار فرماتے۔ اور تحفے تحائف جو حضرت کے پاس آتے تو دیگر اقربا کے مقابلے میں آپ ہی کو زیادہ حصہ دیتے۔ غرض کہ حضرت محبوب الٰہیؒ آپ سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اسی لیے آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کی حیات ہی میں حضرت کے دولت کدے اور حظیرے[2] کے متولی ہو گئے تھے۔ آپ کے متعلق امیر خورد کرمانیؒ کے آخری دو جملے بھی بہت ہی پُر تاثیر ہیں۔ اور ان سے آپ کی شخصیت کا نقش دل پر جم جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

حق تعالیٰ این بزرگ را کہ یادگار سلطان المشائخ است بر جادۂ طریقت مستقیم دارد۔ و برا صحاب روضہ مقیم باشد۔ آمین[3]

(حق تعالےٰ ان بزرگ کو جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی یادگار ہیں۔ طریقت کے راستے پر مستقیم رکھے اور یارانِ روضہ پر قائم رکھے۔ آمین!)

قربِ قرابت کے اظہار کے لیے یادگار سلطان المشائخ سے زیادہ موزوں اور کیا ہو سکتا۔ غرض کہ آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی یادگار بھی تھے اور متولی خانہ وحظیرہ بھی تھے۔ آپ سے

---

[1]: سیرۃ المحبوب صہ ۷۵ میں لکھا ہے کہ مکڑی اور کشتی سے بہت شوق تھا اور تاریخ نظامی صہ ۷۳ میں لکھا ہے کہ فنِ تیراکی اور کشتی وغیرہ کا بہت شوق تھا۔ مگر دونوں میں غلط بیانی ہے۔

[2]: حظیرہ احاطہ قبرستان کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد درگاہ شریف اور اس کی حدود ہیں اور دولت کدے سے مراد آپ کی خانقاہ ہے جسے اب چِلّہ کہتے ہیں اور جو مقبرہ ہمایوں کے شمال مشرقی گوشے میں ہے۔

[3]: سیر الاولیاء صہ ۲۰۳ ج

Marfat.com

زیادہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا قریبی رشتہ دار اور کوئی نہیں تھا۔ ۷/ ۸ رجب کو سالانہ عرس ہوتا ہے۔ لوحِ مزار پر سالِ وفات ۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء کندہ ہے[1]۔ مزار پُرانوار حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ میں شمال مشرقی دروازوں کے درمیان ایک احاطہ میں ہے۔

(۲) خواجہ ابوبکر مصلّی دار خاصؒ

آپ کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی مصلّی داری[2] کی خدمت کا شرف حاصل تھا۔ تکۂ اقربا میں آپ کے مبارک ذکر کو تیسرا مقام حاصل ہے۔ اور جس طرح خواجہ ہارونؒ کے متعلق یہ بتایا ہے کہ وہ پسر خواہر زادۂ حقیقی تھے۔ آپ کے کسی رشتے کا ذکر نہیں کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ دور کا رشتہ تھا جس کا نہ ظاہر کرنا ہی بہتر تھا۔

بہرحال یہ بزرگ نہایت عابد و زاہد تھے۔ شب و روز مجاہدات میں مشغول رہتے تھے اور دائم الصوم بھی رہتے تھے بلکہ کئی کئی دن افطار نہ کرتے تھے اور اس کے باوجود ہر وقت حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں لگے رہتے۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا مصلّی مبارک کیلوکھری کی جامع مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا کہ خواجہ ابوبکر جامع مسجد میں میرا مصلّی لے گئے ہیں۔ اور (یادِ حق میں) مشغول ہیں۔ سماع کا ذوق بھی کامل تھا[3]۔

ایک دفعہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے آپ کو اپنا جبۂ خاص عنایت فرمایا۔ تو آپ نے شکریہ ادا کرنے کی غرض سے کئی سیر گھی حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے

---

[1]: حیاتِ نظامی صہ ۱۴۱ میں بھی سالِ وفات ۲۴/ رجب ۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء لکھا ہے۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ سیر الاولیار کی تصنیف کے زمانے میں حیات تھے اور اس کا زمانہ تصنیف اندازاً ۷۶۰ھ ۱۳۵۸ء ہے۔

[2]: سیر الاولیار صہ ۱۴۳ پ ح

[3]: سیر الاولیا صہ ۲۰۴ ، ۲۰۵ پ ح

Marfat.com

خادم سے فرمایا کہ اس میں سے ایک سیر گھی لے لو۔ جب آپ نے یہ دیکھا تو عرض کیا کہ سب ہی قبول فرمالیجئے، یہ ہے ہی کیا۔ حضرت نے فرمایا: ترا ایں جبہ بہ بہا خواہد افتاد۔ (پھر تو یہ جبہ تمھیں قیمتاً پڑجائے گا)[1] گویا بدلہ اتر جائے گا۔

حضرت خواجہ ابوبکر مصلی دارؒ نہایت متوکل بزرگ تھے۔ اور اگرچہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے وصال کے بعد بعض دوستوں نے شاہی وظیفے قبول کرلیے تھے اور زمین داری کے کاموں میں مشغول ہوگئے تھے۔ مگر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو بھی قبول نہیں کیا اور اس کے باوجود بڑی خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہے۔

محققین کے نزدیک ان بزرگ کا شمار زیر تربیت[2] بزرگوں میں ہے۔ یہ نہ جدّی وارث تھے اور نہ نسبی جانشین تھے۔ اور نہ روحانی سجادہ نشین تھے۔ بلکہ بعض نادان دوست ناحق ان بزرگ کی ذات گرامی کو ملوث کرتے ہیں۔ جو شرم کی بات[3] ہے۔ ۲۷ر رجب

---

[1]: سیرالاولیا صہ ۲۴۴ اچ

[2]: تاریخ مشائخ چشت صہ ۲۸۷

[3]: حضرت خواجہ ابوبکر مصلی دارؒ کو قریبی رشتہ دار جدّی وارث اور نسبی جانشین ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب شرم ناک شجرے بنائے گئے ہیں چنانچہ یہاں ایک ہی شخص کے شائع کردہ جعلی شجروں سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ مختصراً ان کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) تاریخ نظامی صہ ۱۷۰ میں حضرت محبوبِ الٰہی کی ہمشیرہ کو سید عبداللہ ابن سید عبدالرحمٰن کی زوجہ بتایا ہے۔ جو سیرۃ المجذوب صہ ۵۹ میں مخدوم کے داماد ہیں اور سیرۃ المجذوب صہ ۶۰ میں وہی مخدوم کے پوتے داماد ہیں۔

(۲) سیرۃ المجذوب صہ ۵۹ میں حضرت محبوبِ الٰہی کی ہمشیرہ کو خواجہ محمد ابن خواجہ محمد صالح کی زوجہ بنایا ہے جو تاریخ نظامی صہ ۱۷۰ میں مخدوم کے نواسے ہیں اور سیرۃ المجذوب صہ ۶۰ میں مخدوم

۱۳۳۵ھ تاریخ وفات ہے [1]
۱۳۳۵ھ

یہ حضرت اگرچہ زیر تربیت تھے۔ لیکن حضرت محبوب الٰہیؒ کی پرورش کی برکت سے ان خوبیوں سے مالا مال تھے کہ آج کے کاملین کو بھی یہ کمال نصیب نہیں۔ غرض کہ ان بزرگوں کی ذات گرامی سے دلّی کے روحانی مرکز کی ساکھ بندھی ہوئی تھی۔ اور وہ ہر پہلو سے

(بقیہ صفو ۱۶۱) کے صاجزادے ہیں۔

(۳) سیرۃ المحبوب ص۶۰ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی ہمشیرہ کو خواجہ محمد صالح ابن خواجہ عبداللہ کی زوجہ بتایا ہے جو تاریخ نظامی ص۱۷۰ میں مخدومہ کے داماد ہیں۔ اور سیرۃ المحبوب ص۵۹ میں مخدومہ کے خسر ہیں۔

(۴) تاریخ نظامی ص۱۷۰ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی بھانجی کو خواجہ صالح ابن خواجہ عبداللہ کی زوجہ بتایا ہے جو سیرۃ المحبوب ص۵۹، ۶۰ میں محترمہ کے دادا ہیں۔

(۵) سیرۃ المحبوب ص۵۹ و ۶۰ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی بھانجی کو خواجہ عبداللہ ابن مولانا عبدالرحمن کی زوجہ بتایا ہے جو تاریخ نظامی ص۱۷۰ میں محترمہ کے والد بزرگوار ہیں۔ الغرض خواجہ ابوبکر مصلی دار کو ان جعلی شجروں میں خواجہ ابوبکر مصلی دار ابن خواجہ عبداللہ ابن مولانا عبدالرحمن بتایا گیا ہے جو سیرۃ المحبوب ص۵۹ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی ہمشیرہ کے نواسے ہیں اور سیرۃ المحبوب ص۶۰ میں پرپوتے ہیں اور آخر کار تاریخ نظامی ص۱۷۰ میں خواجہ ابوبکر مصلی دار کو مخدومہ کا صاجزادہ بنا دیا گیا ہے۔ اور خواجہ ابوبکر مصلی دارؒ کی اولاد ہونے کے دعویٰ دار جدّی وارث اور نسبی جانشین ہونے کا دعویٰ کرنے لگے ہیں۔ کیا کوئی شریف النفس اس خرافات کو برداشت کر سکتا ہے۔ بزرگوں کے باب میں خصوصاً حضرت محبوب الٰہیؒ کی ہمشیرہ محترمہ کے متعلق ایسے شجرے کس قدر شرمناک ہیں۔ نظامیوں کی سعادت مندی کی داد نہیں دی جا سکتی۔

[1] تاریخ نظامی ص۹۰۔

Marfat.com

قابلِ اطمینان تھا بلکہ نہایت ہی جامع اور مکمل سمجھا جاتا تھا اور تھا بھی ایسا ہی — اور جیسے سلطان محمد تغلق کی ناعاقبت اندیشی کے ہاتھوں سخت نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

اہلِ قلم

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے حلقۂ ارادت میں بے مثل علماء و فضلا کے علاوہ نہایت بلند پایہ شاعر و مورخ اور اہلِ قلم بھی شامل تھے۔ اور وہ ایسے باکمال تھے کہ ان کی نظیر زمانہ آج تک پیش نہیں کر سکا۔ ان میں سے مشہور ترین بزرگ یہ ہیں:

(۱) طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؒ

ابوالحسن امیر خسروؒ لاچینی ترک تھے۔ نوعمری ہی میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔ اور نوعمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ دربارِ شاہی سے وابستہ ہونے کے باوجود کامل صوفی تھے۔ اور شب زندہ دار بزرگوں میں سے تھے۔ ہر قسم کے علوم سے آگاہ اور بلند پایہ عالم و ادیب اور بے نظیر شاعر تھے۔ یہی کہ علمی کمالات میں آج تک آپ کا لوہا مانا جاتا ہے۔

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو بہت ہی عزیز تھے۔ چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ میں سب سے تنگ آجاتا ہوں اپنے آپ سے بھی تنگ آجاتا ہوں مگر ترک اللہ (امیر خسرو) میں تم سے تنگ نہیں آتا۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ پیار سے آپ کو ترک اللہ کہا کرتے تھے آپ کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مزاج میں اس قدر دخل تھا کہ جس وقت چاہتے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے آپ کے سوا اور کسی کو یہ سعادت نصیب نہیں تھی۔

حضرت امیر خسروؒ سے حضرت محبوبِ الٰہیؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میری

Marfat.com

زندگی پر تمھاری زندگی منحصر ہے لہٰذا تم یہ دعا کیا کرو کہ تمھیں میرے پہلو میں دفن کیا جائے۔

حضرت امیر خسروؒ کو شعر وادب اور موسیقی سے فطری لگاؤ تھا۔ اور آپ کو اردو شاعری کا موجد بھی مانا جاتا ہے بلکہ گوناگوں کمالات کے اعتبار سے آپ کو زندۂ جاوید تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ نے مختلف علوم وفنون میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اور شعر و ادب کا بہت بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ ان ہی میں ایک پسندیدہ کتاب افضل الفوائد ہے جس کی دو جلدیں ہیں۔ اور ان میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ملفوظات ہیں جنھیں خود حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ملاحظہ فرمایا تھا۔ اور یہ دونوں کتابیں آج تک عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے وصال کے چھے مہینے بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء کو حضرت امیر خسروؒ کا وصال ہوا۔ مزار پُر انوار[1] حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے آستانے میں جانب جنوب ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ زائر پہلے آپ ہی کے آستانے پر حاضر ہوتے ہیں اور پھر حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔

(۲) امیر حسن علا سنجریؒ

دلّی کے رہنے والے تھے۔ حسن دہلوی کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت امیر خسروؒ کے جگری دوست تھے۔ اور بڑے ہی رنگین مزاج تھے۔ اعلیٰ درجے کے شاعر اور نثر نگار تھے۔ کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ آج بھی تازہ ہی لگتا ہے۔ آخر عمر میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے دستِ حق پرست پر توبہ[2] کی۔ اور حضرت کے فیضِ صحبت سے روحانیت میں

---

[1]: سیر الاولیاء ص ۳۰۱ تا ۳۰۵ پ ‌ ‌ [2]: توبہ کا ذکر اسی کتاب میں تبلیغ کے زیرِ عنوان ہے۔

Marfat.com

کمال حاصل کیا۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ملفوظات کو پانچ جلدوں میں مرتب کیا جس کا نام فوائد الفواد[1] ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی تقریر جوں کی توں نقل کردی ہے۔ اور مطالعہ سے حضرت کی مبارک تقریر کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے خود بھی انھیں ملاحظہ فرمایا تھا اور جو لفظ مرتب کو یاد نہیں رہے تھے اور جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ حضرت نے خود اپنے مبارک قلم سے لکھ دیئے تھے۔ ان ہی خوبیوں کی بنا پر اسی زمانے میں دور و نزدیک اس کتاب کی شہرت ہوگئی تھی اور بہت زیادہ مانگ تھی۔ کاتب نقل کر کے فروخت کیا کرتے تھے اور اکثر دوستوں نے خود اس کتاب کو نقل کر لیا تھا اور شب و روز مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اور حضرت امیر خسروؒ جیسے باکمال یہ فرمایا کرتے تھے :

> کاش! میری وہ تمام کتابیں جن میں مَیں نے پوری عمر صرف کی ہے برادر امیر حسن کی ہوتیں اور انھوں نے جو ملفوظات جمع کیے ہیں وہ میرے ہوتے تاکہ دنیا و آخرت میں وہ میرے لیے سرمایۂ فخر ہو سکتے۔

جب سلطان محمد تغلق نے اہل دلّی کو دیوگیر (دولت آباد) بھیجا تو آپ کو بھی وہیں جانا پڑا۔ اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار خاص و عام کی زیارت گاہ[2] ہے اور

---

[1]: اس قدر وسیع حلقہ ہونے کے باوجود کسی نظامی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اس مفید کتاب کا کوئی اچھا اڈیشن شائع کرا دیتا۔ جس میں اشاریہ بھی ہوتا اور تاریخی مقامات اور تاریخی شخصیتوں کے متعلق حواشی بھی ہوتے اور اسی شان کا کوئی ترجمہ ہوتا۔ مطبع نولکشور لکھنؤ بلاشبہ قابل تحسین ہے کہ اس کی بدولت ہم اس نعمت سے مستفید ہیں۔ بازاری تراجم تو ایسے ہیں کہ اگر نہ ہوتے تو بہتر تھا۔

[2]: سیر الاولیا صہ ۳۰۸ ج

مزار حسن شیر کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) خواجہ ضیا الدین برنیؒ

آپ نہایت معزز خاندان کے فرد تھے۔ بلند شہر آپ کے بزرگوں کی جاگیر میں تھا۔ اور اس زمانے میں بلند شہر کو برن کہا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ برنی مشہور ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار نہایت نیک اور بزرگ آدمی تھے۔ اور انھوں نے آپ کو بچپن ہی میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے بیعت کرا دیا تھا۔ کیلوکھری میں آپ کا بڑا عالیشان محل تھا۔ اسی میں آپ رہتے تھے لیکن بعد میں حضرت کی محبت و قربت کے پیش نظر غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور حضرت کے یارانِ اعلیٰ میں شمار ہوتے تھے۔

بہت اچھے عالم مورخ ادیب اور اہلِ قلم تھے۔ بلکہ نہایت ظریف اور ہنس مکھ آدمی تھے۔ بس محفل میں ہوتے اسے اپنے لطیفوں اور چٹکلوں سے باغ و بہار بنا دیتے تھے سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ایک معزز منصب[1] پر سرفراز تھے۔ عہد فیروز شاہی میں بہت ضعیف ہو گئے تھے اس لیے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی مگر دربار شاہی سے گراں قدر وظیفہ ملا کرتا تھا۔ گوشہ نشینی ہی کے ایام میں آپ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے یہ دو کتابیں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو حسرت نامہ جو تصوف میں ہے

---

[1] سلطان محمد تغلق کا عہد حکومت ۷۲۵ تا ۷۵۲ھ تھا۔ اس عہد میں ضیاء برنیؒ منصب دار تھے امیر خوردؒ کا بیان ہے کہ از دولت او ازیں دنیائے غدار و مکار و بیوفا حظے وافر و نصیبے کامل گرفت۔ (سیر الاولیا ص۳۱۲) گویا کہ ضیاؔ برنی پر ہُن برس رہا تھا اور دولت کی ریل پیل تھی لیکن تاریخ نظامی حصہ ۳ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ ضیاؔ برنیؒ ان ایام میں درگاہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اور بلا معاوضہ خدمت کیا کرتے تھے۔ یہ بیان خلافِ واقع ہے۔

جس میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی متبرک صحبت کے حالات بھی ہیں۔ دوسرے تاریخ فیروزشاہی جس میں عہد غیاث الدین بلبن سے چھٹے جلوس فیروز شاہی ۷۵۸ھ/۱۳۵۶ء تک کے حالات ہیں اور بڑی خوش اسلوبی سے لکھے ہیں اور اسی سے آپ کے نام کو حیاتِ جاوید نصیب ہوئی ہے۔

آخر عمر میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی صحبت کا آپ پر یہ اثر تھا کہ جو کچھ ملتا خیرات کر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ آخری بیماری میں تن کے کپڑے تک خیرات کر دیئے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو گھر میں ایک کوڑی بھی نہیں تھی۔ لہٰذا آپ کو صرف ایک چادر میں کفنایا اور بوریا نیچے بچھا دیا تھا۔ اور مسکینوں کی طرح آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے حظیرے[2] (احاطۂ قبرستان) کے نزدیک آپ کے والد بزرگوار کی بائیں آپ کو دفن کیا گیا۔[3]

---

[1] : تاریخ نظامی صہ ۸۲ میں سال وفات ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء لکھا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا مرنے کے بیس بائیس سال کے بعد بھی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالِ وفات غلط ہے۔ ایک مسخرہ نے لکھا ہے کہ سید نور محمد بدایوانی المتوفی ۱۱۳۵ھ نے ۱۱۵ھ میں سیر الاولیا کو نقل کر دیا تھا۔ سبحان اللہ! ۔

[2] : سیر الاولیا کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ چبوترہ یاران درگاہ شریف کا مشرقی حصہ ہے جس کا ایک سرا احاطہ کرامانیان ہے اور امیر خورد کا بیان یہ ہے کہ در جوارِ حظیرۂ سلطان المشائخ درپایانِ والد بزرگوار خویش مدفن یافت (سیر الاولیاء صہ ۳۱۳ پ) جوار کے معنی ہیں: پڑوس اور نزدیک اس کا مطلب یہ ہوا حظیرے کے نزدیک۔ مگر جہاں قراب بتائی جاتی ہے۔ اس مقام کو امیر خورد پایان اور اندرون حظیرہ لکھتے ہیں۔ اس لیے مزار کی نشان دہی مشکوک ہے۔

[3] : سیر الاولیاء صہ ۳۱۳

Marfat.com

(۴) مولانا فخرالدین زرادیؒ

آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ اور آپ کا ذکر خیر خلفا کے زیرِ عنوان لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے سماع کے متعلق دو[1] رسالے لکھے تھے۔ ایک کا نام اصول السماع ہے اور دوسرے کا نام وجوہ السماع ہے اور مجموعی طور پر دونوں کا نام کشف المفتاح ہے۔

(۵) مولانا شمس الدین یحییٰؒ

آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں ان میں سے ایک شرح مشارق الانوار[2] ہے۔ آپ کا ذکر خلفا میں لکھا جا چکا ہے۔

(۶) مولانا علاءالدین نیلیؒ

آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔ بامقیماں[3] آپ کی مشہور کتاب ہے۔ جو صدیوں سے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ اور بچوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ فارسی نظم میں ہے۔ میں نے بھی بچپن میں کریما کے بعد یہ کتاب پڑھی تھی۔ آپ کا ذکر خلفا میں لکھا جا چکا ہے۔

(۷) خواجہ محمد امامؒ

آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے معزز امام و خلیفہ تھے۔ آپ کا ذکر خلفا میں لکھا جا چکا ہے، آپ کی کتاب کا نام انوار المجالس[4] ہے جس میں آپ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ملفوظات

ا۔ سیر الاولیا ص ۲۶۹ پ ج

۲۔ سیر الاولیا ص ۲۲۶ پ ج انبار الاخبار ص ۹۶

۳۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۰، ماخذ۔ ۴۔ سیر الاولیا ص ۲۰۰ پ ج

جمع کیے تھے جو نایاب ہے۔

(۸) خواجہ عزیز الدین صوفیؒ

آپ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی صاحبزادی بی بی مستورہؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ارشاد کی تعمیل میں قاضی محی الدین کاشانیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی خوشخطی اور خصوصاً خفی لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مبارک ملفوظات کو ایک کتاب میں جمع کیا تھا اور اس کا نام تحفۃ الابرار فی کرامت الاخیار رکھا تھا۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تھا۔ اور یہ کتاب اپنے زمانے میں بہت مقبول تھی۔ مگر اب نایاب ہے۔[1]

(۹) علی بن محمود جاندار شاہؒ

آپ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جس کا نام خلاصۃ اللطائف[2] ہے۔ اور اس کی عبارت بھی نقل کی ہے۔ جو عربی زبان میں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بزرگ کو عربی زبان پر کامل عبور تھا۔ آپ کی ایک کتاب کا ترجمہ مولوی یاسین علی مرحوم نے شائع کیا تھا۔ جس کا نام دُررِ نظامی ہے۔ اس کتاب میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ان ملفوظات کو جو فوائد الفواد وغیرہ میں ہیں، عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے اور یہی اس کتاب کی خوبی، ہے۔

---

۱ : سیر الاولیا صہ ۲۰۲

۲ : اخبار الاخیار صہ ۹۴

(۱۰) امیر خورد سیّد محمد کرمانیؒ

اصل نام محمدؐ ہے اور امیر خورد کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ خواجہ مبارک کرمانی کے صاحبزادے اور خواجہ سیّد محمد کرمانیؒ کے پوتے تھے۔ جو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حکم سے حضرت محبوب الٰہیؒ کے ساتھ رہتے تھے۔

جب امیر خوردؒ پیدا ہوئے تو آپ کے دادا بزرگوار سیّد محمد کرمانیؒ[1] جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے ہم خرقہ تھے اور آپ کے نانا بزرگوار خواجہ شمس الدّین دامغانیؒ جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے دوست اور ہم سبق تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نام تجویز کرنے کے لیے عرض کیا اور حضرت نے محمدؐ نام تجویز فرمایا۔ اور جب امیر خورد بالغ ہو گئے تو ان کے نانا بزرگوار خواجہ شمس الدّین دامغانیؒ انھیں اور ان کے دونوں چھوٹے بھائیوں کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں بعیت کرانے کے لیے لائے۔ اور یہ کہا؛

> سید مبارک کے لڑکے جو مخدوم کے دعاگو زادگان ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے غلاموں کے حلقے میں داخل ہوں اور بعیت و ارادت سے مشرف ہو جائیں۔[2]

---

[1] : خواجہ سید محمد کرمانیؒ کا سال وفات ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء ہے (سیر الاولیا ص ۲۱۰ پر) اس سے واضح ہے کہ امیر خوردؒ کی پیدائش ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء سے پہلے ہوئی اور ممکن ہے ۷۰۷ھ/۱۳۰۷ء میں پیدا ہوتے ہوں۔

[2] : امیر خورد کی اصل عبارت یہ ہے؛

پسران سید مبارک دعاگو زادگانِ مخدوم می خواہند کہ در سلک بندگان منسلک شوند و بشرفِ ارادت مشرف گردند۔ (سیر الاولیا، ص ۲۵۸)

(بقیہ ص ۱۷۱ پر)

Marfat.com

حضرت نے فرمایا کہ مولانا یہ میرے ہی بچے ہیں اور پھر امیر خوردؒ کو بیعت فرمایا اور کلاہ ارادت عنایت فرمائی۔

امیر خوردؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی برکتوں سے مالا مال فضا میں پرورش پائی، اور مولانا فخر الدین زرادیؒ[1] اور مولانا رکن الدینؒ[2] اندرپتی جیسے علما سے تعلیم حاصل کی، اور اخی سراجؒ[3] جیسے جلیل القدر بزرگوں کے ہم سبق رہے۔ لہٰذا انھیں جیسا کچھ باکمال ہونا چاہیے

(بقیہ صفحہ ۱۶۱) مگر بریاں مرحوم نے ترجمہ یہ کر دیا ہے:

یہ لڑکے سید مبارک کے ہیں جو مخدوم زادوں کے دعاگو تھے... الخ (ترجمہ سیر الاولیا بریاں)

ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ دعاگو زادگان کے معنی ہیں دعاگو کے لڑکے لہٰذا دعاگو زادگان مخدوم کے معنی ہیں کہ مخدوم کے دعاگو کے لڑکے دراصل یہ بیان ہے اور پسران سید مبارک مبین ہے۔ جس کی وضاحت کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی ہے ورنہ وہ مخدوم زادے کون تھے جن کے سید مبارک دعاگو تھے۔ اور تھے تو اب کیوں نہیں ہیں؟ سال وفات تو خواجہ مبارک کرمانیؒ کا ۷۴۹ھ ؍ ۱۳۴۸ء ہے۔ (سیر الاولیا صفحہ ۲۱۴ پ)، مگر اس ترجمہ سے یہ واضح ہوتا ہے گویا خواجہ مبارک کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور غالباً اسی ترجمے کی برکت ہے کہ نظامی بنسری صفحہ ۲۰۴ میں یہ لکھا گیا کہ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف جب مرید ہوئے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا... الخ مگر یہ ترجمہ اور یہ خیال واقعہ کے خلاف ہے بلکہ وہ زندہ تھے اور حضرت سے چوبیس برس بعد ۷۴۹ھ ؍ ۱۳۴۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سفر میں ہوں۔ یا صرف اپنے بزرگ خسر کے ہمراہ بھیجنا مناسب سمجھا ہو۔ جو حضرت کے دوست بھی تھے۔ انداز بیان میں حزنیہ کیفیت بھی نہیں ہے۔

[1]: سیر الاولیا صفحہ ۲۶۶ پ

[2]: سیر الاولیا صفحہ ۲۶۵ پ

[3]: سیر الاولیا صفحہ ۲۸۵ پ

تھا ایسے ہی وہ ہوئے اور ان کے نام و کام کو حیاتِ جاوید نصیب ہوئی۔

امیر خوردؒ ایک ہونہار لائق اور فطری صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ وہ عالم بھی تھے ادیب بھی تھے۔ شاعر بھی تھے اور انھوں نے اہل اللہ اور اہل دل حضرات کی صحبت سے فیض بھی پایا تھا۔ ذوق بھی نہایت شائستہ اور بے حد ستھرا تھا۔ عہد شباب میں عالم رنگ و بُو سے بھی گزرے[1] تھے۔ وہ ایک گل دستہ تھے دراصل حسن و خوبی کے گل ہائے گوناگوں کا۔

جب پچاس[2] برس کی عمر ہوئی تو خواب غفلت سے آنکھ کھلی اور سرمایۂ آخرت کی فکر پڑی اور اسی نیت سے انھوں نے محبوب الٰہیؒ کی سیرت پاک کو اپنا موضوع قرار دیا۔ یہ انتخاب بھی حسن انتخاب کا ترجمان ہے۔ کتاب لکھی اور خوب لکھی اور ایسی لکھی کہ صدیاں بیت گئیں۔ لیکن اس گلستانِ حیات کی بہار بے خزاں کا وہی عالم ہے۔

ع ذوق والے بھی اس حسن کے متوالے ہیں

اسلوب بیان سبحان اللہ! کیسا سادہ و پُرکار ہے کہ داد نہیں دی جا سکتی، طرز ادا شائستہ اور بیان سلجھا ہوا ہے۔ روانی اور بے ساختگی سے مالا مال مطالب کا یہ عالم ہے کہ مونھ سے پڑے بول رہے ہیں جیسے موتی کی لڑیاں اور لفظ ڈھلکتے ہوئے موتی ہیں معرفت کی رنگ آمیزی نے اسلوب کا رنگ چوچھا اٹھا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی سیرت پاک لکھ ہی وہ سکتا ہے۔ جو عالم بھی ہو اور عارف بھی۔ ہم جیسوں کا لکھنا تو مونھ چڑانا ہے۔

خیر! امیر خوردؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی محبت سے سرشار ہو کر سیر الاولیا لکھی۔ جو آج تک مستند مانی جاتی ہے۔ البتہ عبد اللہ جیو نے اور حبیب اللہ نے $\frac{۱۱۵۰}{۱۷۳۷}$ھ میں

---

[1] سیر الاولیاء صہ ۲۶۳، ۲۶۵ پ

[2] سیر الاولیاء صہ ۱۳ پ

Marfat.com

الحاق و تحریف کی پیوند کاری بھی کر دی ہے۔ لیکن نا اہل تھے اس لیے ان کی پیوند کاری
مونھ چڑاتی الگ ہی نظر آتی ہے۔

بلاشبہ ہر اہل ذوق کو دورانِ مطالعہ میں ان الحاق و تحریف کا احساس ہوا ہوگا۔
لیکن یہ سعادت مقدر تھی میرے لیے لہٰذا ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء[۱] میں سب سے پہلے میں نے ہی ان
حقائق سے روشناس کرایا اور اگرچہ اہل غرض کا ایک گروہ آڑے بھی آیا لیکن علمی افلاس کا
مارا تھا اس لیے مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور جبہ و دستار کی خیر مناتا ہوا اپنے حجروں میں
جا گھسا۔ البتہ اہل علم اور اہل حق نے نگاہِ تحسین سے دیکھا اور قدر افزائی فرمائی۔ اور اگرچہ
۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء کے الحاقی نسخے کی ایک نقل سے چرنجی لال ایڈیشن وجود میں آیا ہے جو جابجا پایا
جاتا ہے۔ لہٰذا اس سہولت کے پیش نظر اسی سے حوالہ جات تحریر کیے جاتے ہیں۔
ورنہ اس کو سند نہیں سمجھا جاتا۔

بہر حال امیر خورد کرمانیؒ کا یہ شاہکار سیر الاولیا بے مثل سوانح حیات ہے اور اگرچہ
چھ سو برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے لیکن متواتر آج تک اسے مستند مانا جاتا ہے
اور یہ امیر خورد کرمانیؒ کے کمالات کا بین ثبوت ہے۔ امیر خورد کرمانیؒ کا مزار بھی چبوترہ
یاران ہی پر احاطہ کرمانیاں میں ہے۔ سال وفات ۷۷۰ھ / ۱۳۶۸ء ہے[۲]۔

یہ ہیں وہ اہل قلم جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی ذات گرامی سے وابستہ تھے۔ ان
کے علاوہ اور بھی ہوں گے۔ جن کا احوال تلاش و تجسس سے یقین ہے کہ دستیاب
ہو سکے گا۔

---

[۱]: فتوٰی میراثِ محبوب ص ۲۰ تا ۲۳ ارمغان تحقیق جلد ۱ ص ۱۶ تا ۲۶

[۲]: خزینۃ الاصفیاء جلد ۱ ص ۳۶۶

Marfat.com

ناحق اہلِ قلم

ناحق اہلِ قلم سے مراد یہ ہے کہ بعض وہ بزرگ جو اہلِ قلم نہیں تھے۔ مگر انھیں ان اہلِ قلم میں شمار کر لیا گیا ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی ذات گرامی سے وابستہ تھے یا وہ اہلِ قلم تو تھے مگر حضرت کے وصال کے مدتوں بعد وجود میں آئے اور سہواً انھیں بھی حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے حلقۂ اہلِ قلم میں شمار کر لیا گیا ہے اور یہ غلط ہے۔ اور یہاں اسی مغالطے کو رفع کرنا مقصود ہے۔

① شمس سراج عفیفؒ

خواجہ ضیاء الدّین برنیؒ نے چھٹے جلوس فیروز شاہی تک کے حالات لکھے ہیں۔ انھوں نے پہلے جلوس فیروز شاہی سے آخر عہد فیروز شاہی تک کے حالات لکھے ہیں۔ ان دونوں مورخوں کی تاریخیں تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور غالباً کتابوں کی ہم نامی کی وجہ سے ان دونوں مورخوں کو بھی ہمعصر سمجھ کر بلا تحقیق شمس سراج عفیف کو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے حلقۂ اہلِ قلم میں شمار کر لیا ہے[۱] مگر یہ غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ چنانچہ شمس سراج عفیف ہی کے بیان سے یہ مغالطہ رفع ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تولد فیروز شاہ (۷۰۹) تسع و سبعمائۃ[۲]...... وجد ایں مورخ۔
شمس شباب عفیف ہمدریں روز تولد شد[۳]... الخ

---

[۱]: نظامی بنسری ص ۴۰۵ ۔
[۲،۳]: تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶، ۳۹ ۔

فیروز شاہ ۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے .... اور اس مورخ کے دادا شمس شباب عفیف بھی اسی دن پیدا ہوئے ... الخ

۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء میں حضرت محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا۔ اس وقت شمس سراج عفیف کے دادا شمس شباب عفیف کی عمر سولہ (۱۶) سال کی ہوگی۔ بیٹے اور پوتے کا تو ذکر ہی کیا۔ پھر یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ شمس سراج عفیف ان اہلِ قلم کے حلقے میں تھے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی ذاتِ گرامی سے وابستہ تھا۔ اور یہ کہنا تو اور بھی مضحکہ خیز ہے کہ شمس سراج عفیف بھی حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے آستانے کے خدام میں سے تھے اور یوں کہ انھوں نے کسی نام نہاد سجادہ نشین سے خدمت کا معاوضہ طلب نہیں کیا تھا۔ اس لیے انھیں معاوضہ دیا بھی نہیں گیا تھا۔[1] یہ سراسر کذب و افترا ہے ؎

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذبِ حق نما ہے
یہ ہے بضاعت اپنی یہ ہے دفتر اپنا

(دیوانِ حالی)

شمس سراج عفیف شیخ نور الدین ابن شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ سے بیعت تھے اور انھوں نے اپنی کتاب میں حملہ تیموری ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء کا ذکر بھی کیا ہے[2] لہٰذا ان کی تاریخ ۸۰۱ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔

(۲) مولانا قاسم بن عمرؒ

ان بزرگ کا ذکر سیر الاولیا منقولہ ۸۵۰ھ/۱۴۳۷ء میں الحاق کیا گیا تھا ورنہ سیر الاولیاء کے

---

[1] : تاریخ نظامی صد ۳ ضمیمہ

[2] : تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف صد ۱۳۱، ۳۱۴، ۳۱۵۔

Marfat.com

قدیم ترین نسخوں میں ان کا ذکرِ خیر نہیں ہے۔ ان کے بیان کا آغاز بھی الحاق کا غماز ہے اور ان کی کتاب کا نام بھی۔ اور ان ہی دونوں نکتوں سے میں نے الحاق کی چوری کو پکڑا تھا۔ لہٰذا تا وقتیکہ دیگر ذرائع سے تصدیق نہ ہو جائے انھیں حضرت محبوب الٰہیؒ کے حلقۂ اہلِ قلم میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) خواجہ عزیز الملّۃ والدّینؒ

ان بزرگ کا ذکرِ خیر تو سیر الاولیا میں ہے۔ لیکن یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ مجموع الفوائد کے مرتب بھی ہیں بلکہ یہ عبارت بھی کسی قدیم نسخے میں نہیں ہے۔

> ایں بزرگ چند ملفوظات سلطان المشائخ را یک جا ترتیب بداون جمع کردہ است و آں را مجموع الفوائد نام نہادہ است[۲]

اس کتاب کے نام کی ترکیب جو غیر فصیح ہے اور ترتیب بدلوان کی نامانوس ترکیب نے میرے ذہن کو تلاش و تجسس کی طرف منتقل کیا تھا۔ لہٰذا تحقیق نے یہ بتایا کہ یہ عبارت الحاقی ہے اور الحاق کرنے والوں کی بد ذوقی کی آئینہ دار ہے۔ لہٰذا جب یہ تحقیق ہو گیا کہ وہ اہلِ قلم ہی نہ تھے اور انھوں نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں تو پھر انھیں حلقۂ اہلِ قلم میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے۔

(۴) خواجہ جہاں احمد ایازؒ

خواجۂ جہاں کا ذکر قدرے تفصیل سے شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی[۳] میں ہے۔

---

[۱]: ارمغانِ تحقیق جلد ۱ صہ ۱۶ تا ۲۶

[۲]: سیر الاولیاء صہ ۲۰۷ چرنجی لال اڈیشن

[۳]: تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف صہ ۵۰ تا ۵۶ و ۶۶ تا ۷۸۔

Marfat.com

بلاشبہ وہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے۔ اور عہد محمد تغلق میں ہند کے وزیر اعظم تھے، اور یہی ایک نہیں بلکہ نہ معلوم کتنی تحریریں ان کے قلم سے نکلی ہوں گی لیکن وہ تحریر جو تصنیف کی نیت سے لکھی نہ گئی ہو۔ یا کسی اہل قلم کی یادگار نہ ہو۔ وہ تحریر تو ہے مگر تصنیف نہیں۔ 'جہل روزہ' اگر اس کا کوئی وجود ہے تو اس کی حیثیت تصنیف کی نہیں بلکہ یاد داشت کی ہے۔ اور یاد داشت کے ہر مرتب کو مصنف یا اہل قلم نہیں مانا جاسکتا۔ پھر خواجۂ جہاں کو اہل قلم میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے۔

خواجۂ جہاں کا ذکر نہ تو اہل قلم کے تذکروں ہی میں ہے اور نہ شمس سراج عفیف ہی نے ان کے اس وصف کا ذکر کیا ہے۔ اہل قلم اس پر کب متفق ہو سکتے ہیں کہ خواجۂ جہاں اہلِ قلم اور مصنف بھی تھے۔ لہٰذا خواجۂ جہاں کو اہلِ قلم کی صف میں لا کھڑا کرنا خلافِ حق ہے اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے حلقۂ اہلِ قلم میں ان کا ذکر کرنا میرے نزدیک خلافِ ادب بھی ہے۔

الغرض یہ چار بزرگ میرے مطالعہ میں ایسے تھے کہ یا تو ان کا اہلِ قلم ہونا ثابت نہیں یا اگر ہے تو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے حلقۂ اہلِ قلم سے انھیں کوئی علاقہ نہیں۔ لہٰذا اپنی معلومات کی روشنی میں ان کا ذکر خیر تحریر کر دیا ہے۔ فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔ جو مناسب سمجھیں رائے قائم کریں۔

مستند سیر الاولیاءؒ

سیر الاولیاء کے ١١٥٠ھ/١٧٣٧ء کے اس نسخے کو جو عبداللہ جیو اور حبیب اللہ کے زیرِ اہتمام مرتب ہوا تھا اور اس کی نقلوں کو اور چرنجی لال ایڈیشن کو میں نے الحاقی، تحریفی اور غیر مستند بتایا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض مستند نسخوں کی بھی نشان دہی کی جائے اور وہ میرے نزدیک یہ ہیں:

۱ - سیر الاولیاء مخطوطہ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء یہ نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مؤلف تاریخ مشائخ چشت کی تحویل میں ہے۔ اور یہ صاحبزادہ میاں اللہ دیا مرحوم دیوان پاکپتن شریف نے موصوف کے دادا بزرگوار کو نذر کیا تھا۔

۲ - سیر الاولیا مخطوطہ ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء یہ نسخہ لارڈ لٹن ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء تا ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء کے کتب خانے کا ہے۔ جنھوں نے ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ اور اب یہ نسخہ شعبہ مخطوطات لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لٹن کلکشن کی فہرست کتب صفحہ ۶۲ زیر عنوان اخبار فارسیہ نمبر ۲۶ مندرج ہے۔ اس کے کاتب و ناقل میر مظفر علی ہیں۔

۳ - سیر الاولیا مخطوطہ ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء یہ نسخہ عہد شاہجہانی کا ہے اور الحاقی نسخے سے ایک سو دس برس پرانا ہے۔ ہندوستان میں اس سے قدیم نسخہ میرے علم میں نہیں ہے۔ اب یہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں ہے۔ پہلے کیٹ لاگ کا نمبر ۲۴۳ ہے اور بعد کی فہرست کا نمبر ۲۱۸ ڈی ہے۔

یہ تینوں نسخے الحاق و تحریف کی گندگی سے پاک ہیں اور مستند ہیں۔ ہیں اپنے محترم احباب الحاج مولانا سید سبط الحسن صاحب لکھنوی اسسٹنٹ لائبریرین شعبہ مخطوطات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اور ادیب شہیر مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی رضا لائبریری رام پور کا اور پروفیسر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فلالوجیکل جائنٹ سکریٹری ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا دل سے ممنون و متشکر ہوں جنھوں نے ان نسخوں کی نشان دہی فرمائی اور میں ان سے استفادہ کر سکا۔ اور ناظرین سے بھی میری درخواست ہے کہ اگر ان کے علم میں سیر الاولیاء کا کوئی قدیم نسخہ ہو تو مجھے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ چرنجی لال ایڈیشن الحاق و تحریف کی گندگی سے پاک نہیں لیکن پھر بھی آنجہانی لالہ چرنجی لال جین لائق تحسین ہیں کہ ان کی بدولت ہمیں سیر الاولیا کے مطالعہ کی نعمت نصیب ہوئی۔ اور یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ نظامی لکھنے والے

کثیر تعداد میں ہیں اور حضرت محبوب الٰہیؒ سے عقیدت رکھنے والوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں لیکن آج تک مجھ سمیت کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس بے مثل و بے نظیر کتاب کو اس کے شایانِ شان شائع کرا دیتا جو کتابت و طباعت اور صحت و کاغذ اور جلد کے اعتبار سے بھی بے مثل ہوتی اور اشاریہ اور مقامات و اشخاص سے متعلق حواشی سے بھی آراستہ ہوتی۔ اور ایسا ہی کوئی بلند پایہ اس کا ترجمہ بھی ہوتا۔ جو بجا طور پر عروس جمیل و بہ لباس حریر کی مصداق ہوتا۔ میری یہ خواہش بھی ہے اور یہ کوشش بھی ہے۔ ناظرین دعا فرمائیں کہ مجھے اس میں کامیابی نصیب ہو۔ آمین!

آستانہ شریف

امیر خورد کرمانیؒ لکھتے ہیں کہ جہاں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا روضہ متبرکہ ہے۔ یہ جنگل و صحرا تھا[1] آپ کے وصال کے بعد سلطان محمد تغلق بن غیاث الدین تغلق نے آپ کے روضۂ متبرکہ پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا اور اللہ تعالےٰ نے آپ کے حظیرۂ متبرکہ کو بے نظیر اور بلند ترین عمارتوں اور فلک بوس گنبدوں سے آراستہ فرما دیا۔ جو اپنی صفائی اور لطافت کے اعتبار سے اقصائے عالم میں بے مثل و بے نظیر ہے[2]

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق کا بنوایا ہوا گنبد منہدم ہو گیا۔ تو صرف مجر بنا دیا گیا تھا۔ بعد ازاں عہدِ اکبری ۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء میں نواب سید فرید خاں نے

---

[1] سیر الاولیا صہ ۱۵۴ اچ شواہد نظامی صہ ۱۳۹ میں یہ اضافہ ہے کہ جس مقام میں کہ روضہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کا ہے۔ ایک حوض تھا مصفا۔

[2] سیر الاولیا صہ ۱۵۴ اچ۔

[3] آثار الصنادید پہلا باب صہ ۳۵

Marfat.com

بارہ ستونوں پر ایک گنبد تعمیر کرایا۔ اور ستونوں کے دروں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگوائیں اور سرہانے ایک لوح نصب کرائی جس پر کلمہ طیبہ کے بعد یہ اشعار کندہ کرائے ؎

شکر کہ در روضۂ حضرت غوث الانام
از پئے تعمیر شد خان فلک احتشام
مہر نسب را شرف اوج شرف را شہاب
سید عالی نسب میر فلک احترام
بانیٔ او ہاشمی۔ ساعیٔ او ہاشمی
آں کہ بدوران شاں ہست سخن را نظام
از پئے تاریخ آں چوں متفکر شدم
کلکِ خرد زد رقم قبلہ گہے خاص و عام
روے بدرگاہ او آر فریدوں بصدق
شاید از الطافِ پیر کار تو گردد نظام

(کاتب حسین احمد چشتی)

اس کے بعد عہد جہانگیری ۱۰۱۷ھ میں نواب فرید خاں المخاطب بہ سید مرتضیٰ خاں بانی فرید آباد نے سیپ کے کام کا ایک چوبی چھپر کھٹ مزار پُر انوار پر نصب کرایا اور اس میں سیپ کی پچے کاری سے بارہ اشعار کندہ کرائے۔

شیخ دہلی نظام را دو فرید
کارِ دنیا و دیں مہیا کرد
یک فریدش مقام فانی داد
یک فریدش مقام احیا کرد

Marfat.com

مرتضیٰ خاں فراز مرقد او

قبۂ چوں سپہر برپا کرد

گیارھواں شعر یہ ہے ؎

سالِ تاریخ ایں بنا جُستم

قبۂ شیخ عقل القا کرد

۱۰۱۷ھ

اس کے بعد شاہجہانی عہد ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۲ء میں خلیل اللہ خاں ابن میر میراں حسینی نعمت اللٰہی حاکم شاہجہاں آباد نے گنبد کے گرد غلام گردش بنوائی جسے بسیت دری کہتے ہیں۔ اس کے ستون سنگِ سُرخ کے تھے[1] ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۵ء میں عزیز الدّین عالمگیر ثانی نے چار شعر سنگِ مرمر پر کندہ کرا کے گنبد کے اندر پائیتیں کی جانب نصب کرائے۔ اور[2] وہ یہ ہیں۔

جو ہوے خادم نظام الدین کا دل سے اے غریب

اس کے تئیں ہوتا ہے تاجِ خسروی جگ میں نصیب

خادمی کی تھی عزیز الدین نے باصدق و یقین

تاجِ شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب

مرضِ دلِ فگار میرے کا وہ صحت بخش ہے

بے غذاؤ بے دواؤ بے طبیب

---

[1] : آثار الصنادید پہلا باب صـ۳۶ بلیست دری کے جنوبی دوروں پہ کتبے کندہ ہیں :

(۱) کتبہ در دوم۔ در عہد اعلیٰ حضرت صاحب قرآن ثانی احقر العباد خلیل اللہ خاں ابن میر میران نعمت الٰہی؟

(۲) کتبہ در چہارم۔ فی سنہ ۱۰۶۳ھ۔ کہ حاکم شاہجہاں آباد بود۔ ایں ایوان را بر دو زروضۂ منبر کہ مرتب بود۔

[2] : آثار الصنادید پہلا باب صـ۳۶

بس پریشاں حال ہے اب خلق پر محبوب حق
فضل کر تقصیر واروں پر تم ہو حق کے حبیب
(باہتمام غلام ہوشیار علی خاں محلی ۱۱۶۹ھ)

۱۲۳۶ھ میں نواب فیض اللہ خاں بنگش نے بسیت دری کی چھت کو اندر کی طرف سے تانبے کے پتروں سے منڈھوا دیا اور اس پر سنہری اور روپہلی گل کاری کرائی تعمیر چھت کی تاریخ بھی دیوار پر کندہ کرائی تھی جو لونی لگ کر جھڑ گئی ہے۔ مقبرے کا گنبد چونے کا بنا ہوا تھا۔ اور غلام گردش کے بن جانے سے پست ہو گیا تھا۔ بادشاہ اکبر ثانی نے ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء میں اسے سنگ مرمر کا نہایت خوشنما بنوا دیا اور اس پر سنہری کلس بھی لگوا دیا۔ اور یہ عمارت بے مثل ہو گئی۔ اس کے علاوہ عہد اکبر ثانی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں نواب احمد بخش خاں رئیس لوہارو نے حضرت مولانا فخرالدینؒ کے ایما کے مطابق بسیت دری کے سنگ سرخ کے ستون بدلوا کر سنگ مرمر کے لگوا دیئے تھے[۲] یہ مزار شریف کے گرد ایک سنگ مرمر کا کٹہرا ہے جو نواب خورشید جاہ رئیس حیدر آباد دکن نے لگوایا تھا اور اس پر یہ تاریخ کندہ ہے:

گزرانیدۂ غلامانِ غلام فدوی محی الدین بہادر شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ
بست و یکم ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ ہجری۔

درگاہ شریف میں پورا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ جس کے تین طرف خوب چوڑا مرمریں حاشیہ ہے۔ جس پر بآسانی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور یہ فرش محمد شاہ بادشاہ نے بنوایا تھا درگاہ شریف کے کیواڑوں پر چاندی کی چادر چڑھی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ اگر دان

---

[۱]: آثار الصنادید پہلا باب ص ۳۷

[۲]: آثار الصنادید پہلا باب ص ۳۶، ۳۷

Marfat.com

اور عود سوز۔ شمع دان اور قنادیل اور دوسرے ظروف چاندی سونے کے تھے جو ۱۱۷۳ھ میں سداشیوا بھاؤ مرہٹہ نے لوٹ لیے تھے[1]

درگاہ شریف کا گردو پیش

درگاہ شریف کا غربی دروازہ باؤلی دروازے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نہایت ہی شان دار دروازہ ہے۔ اور اس فصیل میں ہے جو کبھی اس بستی کے چاروں طرف تھی۔ اور اب کہیں کہیں اس کے نشانات باقی ہیں۔ اس دروازے کی پیشانی پر یہ مصرع کندہ ہے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

یہ دوہرا الداؤ کا چھتہ دار دروازہ ہے۔ اور اس خوبی سے بنایا گیا ہے کہ نہ معلوم گھماؤ سے جنوب رویا ہو جاتا ہے۔ اس سے نکلتے ہی باؤلی کا وسیع چوک آتا ہے جس کے دو طرف زینے اور دو نہایت بلند گنبد ہیں۔ اب سے پہلے ان گنبدوں میں مکتب تھا اور بچے پڑھتے تھے[2]

چوک سے جانب جنوب باؤلی کی سنگین سیڑھیاں ہیں اور سامنے ہی نہایت وسیع اور عالیشان باؤلی ہے۔ باؤلی کے مغربی جانب چینی کا گنبد ہے اور ایک قدیم مسجد ہے اور کوکلا بائی کا مقبرہ ہے۔ اور مشرق کی طرف سات سیڑھیاں اتر کر درگاہ شریف میں جانے کا راستہ ہے جو پہلے مشرق کی طرف مڑتا ہے اور پھر جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے۔ بائیں طرف ایک زینہ ہے اور سامنے ہی چھتہ دار راستہ آجاتا ہے جو مغرب کی

---

[1] : تاریخ ہند ذکاء اللہ ص ۱۱۴۲ آخری عہد مغلیہ و سیر المتاخرین جلد ۳ ص ۹۱۲

[2] : واقعات دار الحکومت دہلی جلد ۲ ص ۷۸۹

Marfat.com

طرف مڑ جاتا ہے۔ اس کے دائیں طرف باؤلی کے بالائی در ہیں اور بائیں طرف حجرے ہیں۔ سامنے ہی قاضی صفدر علی صاحب کا حجرہ ہے۔ اسی کے پاس بائیں طرف ایک چھتہ دار دروازہ ہے اس میں سے گزر کر مشرق کی طرف راستہ چلا جاتا ہے۔ اس دروازے کی دائیں طرف بھی حجرے اور راستہ ہے اسے زنانی ڈیوڑھی کہتے ہیں اور یہ دروازہ اور یہ سب حجرے خواجہ معروف نے عہد فیروز شاہی میں بنوائے تھے۔ تعمیر کی تاریخ دروازے کی پیشانی پر تحریر ہے جو اشعار میں ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

بعہدِ دولت شاہ معظم
خجستہ خسروِ اولاد آدم

کل گیارہ اشعار ہیں اور آخری شعر یہ ہے ؎

زہجرت ہفت صد و ہشتاد و یک بود ۷۸۱
مرتب شد بنا واللہ اعلم

آگے چل کر جو راستہ مشرق کو مڑا تھا وہی جنوب کو مڑ جاتا ہے موڑ ہی پر بائیں جانب زینہ ہے اور جنوب کو مڑتے ہی بائیں طرف مرزا معز الدین کا قبرستان اور حجرے ہیں۔ سامنے ہی چھوٹا سا چوک ہے اس کے مشرق میں زینہ ہے اور مغرب میں جالی دار سنگیں کٹہرا ہے اور جنوب میں ایک خوبصورت دروازہ ہے۔ جسے مالن دروازہ کہتے ہیں۔ اس سے نکلتے ہی آستانہ شریف کا مرمریں فرش ہے اور سامنے ہی روضہ متبرکہ ہے۔ مالن دروازے سے بائیں طرف شربت خانہ ہے جو جنوب رویا ہے۔ اور اس کے سامنے ہی مرادوں کا پیالہ ہے جو سنگ مرمر کا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ اس میں کئی من دودھ آجاتا ہے۔ جس کی مراد بر آتی ہے وہ دودھ سے یا شربت سے یا پھلوں سے اسے بھرتا اور خیرات کرتا ہے اور دائیں طرف مجلس خانہ ہے جس کا دوہرا اور وسیع دالان ہے اور جنوب رویا ہے۔ اور اب نہایت خستہ حالت میں ہے۔ یہ عالمگیر کا بنوایا ہوا بتایا جاتا ہے۔ مجلس خانہ ہی

Marfat.com

میں سے نواب مصطفٰے خاں شیفتہ مرحوم کے خاندانی قبرستان کا راستہ ہے۔

مسجد خلجی[۱]

درگاہ شریف کے مغرب میں بڑی عالیشان مسجد ہے۔ اس کے پانچ گنبد ہیں۔ بیچ کا گنبد نہایت وسیع اور نہایت بلند ہے اور اپنی بلندی اور پھیلاؤ کے لحاظ سے بےنظیر ہے۔ کوئی گنبد اتنا وسیع دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا اس کا صدر دروازہ بھی نہایت بلند اور بہت ہی شان دار ہے دروازے کے دونوں جانب خوش نما محرابیں ہیں جن میں خوبصورت سنگین جالیاں لگی ہوئی ہیں اور مشرقی رُخ پر جنوبی محراب کے پاس قطعۂ تاریخ وصال کندہ ہے۔ اور یہ عمارت تمام تر سنگِ سُرخ کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں قرآن پاک کی آیتیں بھی منقوش ہیں اور احادیث پاک بھی۔ اور بیچ میں ایک کٹورا لٹکا ہوا ہے جسے سونے کا بتایا جاتا ہے۔ اور اس میں ایک طرف ایک سوراخ بھی ہے جسے گولی کا نشان کہا جاتا ہے۔

---

۱ : آثار دہلی صـ۴۳ میں لکھا ہے کہ درگاہ کی مسجد کی بابت مشہور ہے کہ اس کا درمیانی گنبد آپ کے مقبرے کے لیے بنایا گیا تھا مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ مقبرے کا دروازہ جانب جنوب ہوا کرتا ہے اور اس کا صدر دروازہ مشرق میں ہے۔ اس کے علاوہ غربی دیوار کی محرابوں کی پیشانی پر جو احادیث کندہ ہیں ان سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ عمارت مقبرے کے لیے نہیں تھی بلکہ یہ مسجد ہی ہے اور غالباً اسی عمارت کو امیر خورد کرمانیؒ نے گنبد بزرگ لکھا ہے جس میں محفل سماع منعقد ہوئی تھی جس میں مخدوم نصیر الدین محمودؒ چراغ دلی اور شیخ قطب الدین منور اور مولانا شمس الدین یحییٰؒ شریک تھے۔ (سیر الاولیا صـ۲۲۲ج)، کتاب واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صـ۸۰۳ میں اس عمارت کو جماعت خانہ لکھا ہے۔ یہ مؤلف کی بھول ہے۔ جماعت خانہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خانقاہ کی ایک عمارت کا نام تھا جو مقبرۂ ہمایوں دلّی کے قریب ہے۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ بیچ کا گنبد سلطان علاؤ الدین خلجی کے لڑکے خضر خاں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی حیات میں تعمیر کرایا تھا۔ اور اس کے دائیں بائیں جو دو دو گنبد کی عمارت ہے یہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی وفات کے بعد تعمیر ہوئی ہے۔

مسجد کے جنوبی گوشے سے متصل شرقاً غرباً جالی دار سنگین کٹہرا ہے اور مشرقی رُخ پر ختم ہونے سے پہلے چھوٹا سا خوبصورت سنگیں دروازہ ہے۔ جس میں سے گزر کر حضرت امیر خسروؒ کے روضے میں چلے جاتے ہیں۔ پھر یہ جالی دار سنگین کٹہرا جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور مرزا جہاں گیر کے مجر سے جا ملتا ہے۔

مرزا جہانگیر کا مجر ۱۲۴۸ھ

مرزا جہانگیر بادشاہ اکبر ثانی کے صاحبزادے تھے۔ اور انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ انھوں نے ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۸ء میں دلّی کے انگریز ریزیڈنٹ مسٹر سٹین پر گولی چلا دی تھی جس کی سزا میں کمپنی بہادر کی حکومت نے الہ آباد لے جا کر نظر بند کر دیا تھا۔ اور وہیں ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء میں بحالتِ قیدِ فرنگ ان کا انتقال ہوا۔ ان کی والدہ نواب ممتاز محل بیگم نے یہ مجر تعمیر کرایا اور لاش کو الہ آباد سے منگوا کر اس مجر میں دفن کرایا۔ یہ مجر نہایت خوب صورت سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ نقاشی کا کام نہایت نازک اور دلفریب ہے۔ کیواڑ بھی منقش مرمریں ہیں۔ غرضکہ بہت ہی پر کیف مجر ہے۔ آزادئ ہند کے متوالوں کے لیے تو اس میں اور بھی کشش ہے کیونکہ سلاطین تیموریہ میں یہ پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف اقدام کیا تھا[۱] ان ہی کے ساتھ ان کے حقیقی بھائی مرزا بابر کی قبر ہے۔ جو دیوار

---

[۱] واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۹۷، میں لکھا ہے کہ مفسدانہ طبیعت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۰۸ء میں انھوں نے مسٹر سٹین ریزیڈنٹ دہلی پر تپنچہ سر کیا تھا۔ مفسدانہ طبیعت خیال کرنا صحیح نہیں۔

Marfat.com

سے ملی ہوئی ہے۔ اس کے پاس ہی مرزا جہانگیر کی قبر ہے۔ جس پر زنانہ تعویذ ہے مرزا بابر کی قبر کا بھی اصل تعویذ نہیں ہے بلکہ کسی اور ہی کی قبر کا تعویذ اکھیڑ کر لگا دیا گیا ہے۔

مولوی بشیر الدین مرحوم لکھتے ہیں:

"خدا جانے یہ کیا مصلحت تھی کہ قبر کسی کی اور تعویذ کسی کا۔"

(واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص۹۹)

گمان غالب یہ ہے کہ جن مجاوروں نے جاسوسی کر کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کرایا تھا، ان ہی نے انگریزوں کی خوشنودی کے لیے اور انگریزوں کے مخالفوں کا نام و نمود مٹانے کے لیے یہ تدبیر کی ہوگی۔

بہرحال یہ نہایت خوبصورت مجحر ہے اور درگاہ شریف کے صحن سے کوئی ڈیڑھ گز بلندی پر ہے اور یہ بلندی ادب کے منافی اور ناگوار ہے۔ اس مُجحر کے دو دروازے ہیں ایک مغرب میں ہے اور دوسرا مشرق میں۔ مشرقی دروازے کے باہر دائیں بائیں دالان ہیں اور سامنے ہی ایک بڑا دروازہ ہے اور متعدد قبریں ہیں[۲]۔ مولوی یاسین علی مرحوم لکھتے ہیں:

مرزا جہانگیر و مرزا بابر پسران اکبر شاہ ثانی کا مُجحر ہے یہ مجحر بھی نہایت نفیس اور خوش نما اور سنگ مرمر کے کیواڑوں سے آراستہ ہے۔ اس

---

[۱]: مرقع اسناد ص۱۸۰/۱۷

[۲]: اس احاطہ میں خواجہ عبدالرحمٰنؒ کا مزار ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے خادم تھے، مرزا بابر کی اہلیہ کی قبر ہے اور مرزا الٰہی بخش خاں المتوفی ۳ر مارچ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کی قبر ہے۔ مرزا سلیمان جاہ المتوفی ۱۱ر مئی ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء کی قبر ہے اور مرزا ثریا جاہ المتوفی ۸ر فروری ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء کی قبر ہے۔ اور شہزادی قیصر جہاں بیگم المتوفی ۱۱ر محرم ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء کی قبر ہے۔

Marfat.com

کی زمین بھی ممتاز محل بیگم صاحبہ نے ہمارے بزرگوں یعنی پیر زادگانِ درگاہ سے خریدی تھی۔ اس مُجر کے باہر جانبِ شرق بالمقابل دو دالان اور ایک دروازہ کلاں بھی ان ہی کا تعمیر کیا ہوا ہے۔

(سیرت نظامی صہ ۳۱۲)

مُجر محمد شاہ بادشاہ ۱۱۶۱ھ

مرزا جہانگیر کے مُجر سے جانب غرب ذرا فاصلے پر محمد شاہ رنگیلے کا مُجر ہے جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے روضۂ متبرکہ کے پایئں میں ہے اور سرتا پا مرمریں ہے۔ اور نقاشی کا کام نہایت لطیف اور جاذبِ نظر ہے۔ کیواڑ بھی مرمر ہی کے ہیں۔ اس مُجر کا پتھر سیپ کی طرح آب دار ہے اس کی زمین محمد شاہ بادشاہ نے اپنی حیات میں صاحبزادگانِ درگاہ سے ایک لاکھ روپے میں خریدی تھی۔[1]

مُجر جہاں آرا بیگم ۱۰۹۲ھ

جہاں آرا بیگم شاہجہاں بادشاہ کی چہیتی بیٹی تھی اور بہت ہی خوبیوں کی مالک تھی۔ جہاں آرا بیگم کا مُجر محمد شاہ کے مجر سے غرب میں ہے اور مسجد خلجی کے جنوبی گوشے کے پاس تک ہے یہ بھی تمام مرمریں ہے۔ اور نہایت لطیف و نازک نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ جہاں آرا بیگم کی قبر بیچ میں ہے اور لوحِ مزار پر ایک شعر اور کچھ عبارت کندہ ہے

---

[1] سیرت نظامی صہ ۳۱۱ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم صہ ۹۷ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

ہیں نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچیں گے جو مل جائیں صنم پتھر کے (بانگِ درا)

اور وہ یہ ہے:

ہوالحی القیوم

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزارِ مرا

کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

الفقرۃ الفانیہ جہاں آرا مرید خواجگانِ چشت بنتِ شاہ جہاں بادشاہ غازی

انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ

اس مُجر کے لیے جہاں آرا بیگم نے اپنی حیات ہی میں خدامِ[۱] درگاہ کو رقم کثیر ادا کر کے زمین خریدی تھی اور خود ہی یہ مُجر تعمیر کرا دیا تھا۔

مرزا جہانگیر کے مُجر کے شمال میں جالی دار سنگین کٹہرا ہے جو شربت خانے کی عمارت سے جا ملا ہے اس کٹہرے کے درمیان میں ایک سنگین کھڑکی اور ایک چھوٹا سا سنگین دروازہ ہے جس پر کچھ عبارت کندہ ہے اور جو خواجہ جہاں احمد ایاز کے گنبد اور شمس الدین اتگہ خاں کے مقبرے کی زیریں عمارت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح درگاہ شریف کی چاروں حدود مکمل ہو جاتی ہیں۔ درگاہ شریف کا منظر نہایت دیدہ زیب اور دل فریب ہے، ہر وقت نور کا عالم نظر آتا ہے مگر چاندنی رات میں اور عین دوپہر کے وقت جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو ایسی تابندگی ہوتی ہے کہ نظر نہیں جمتی۔ مگر شانِ محبوبی کی کیفیت تو ہمہ وقت دل کو موہے لیتی ہے۔ سبحان اللہ!

درگاہ حضرت امیر خسروؒ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے آستانے کے جنوبی کٹہرے کے خوبصورت سے

---

[۱] مشمولہ مضامین شواہد نظامی ص۱۴۱ و واقعاتِ دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۹۴، ۹۵۔

Marfat.com

سنگین دروازے سے گزر کر حضرت امیر خسرو طوطیٔ ہندؒ کی درگاہ میں جاتے ہیں۔ دروازہ اور کٹہرا عہد عالمگیر ثانی کی یادگار ہے۔ اور دروازے پر یہ دو شعر کندہ ہیں ؎

بدور سعد ابو العدل شاہ عالمگیر　　　بنائے ساخت جواہر درے برائے ثواب
بہ ہوشیار علی خاں چہ مژدہ ہاتف داد　　　کشاد باب کرم ایں مفتح الابواب
۱۱۷۱ھ

دروازے سے گزرتے ہی دائیں طرف مولانا عمرؒ کا مزار اور حضرت امیر خسروؒ کے روضے کی غلام گردش کا مشرقی جالی دار سنگین کٹہرا ہے۔ اور بائیں طرف سامنے ہی خواجہ ابوبکر مصلی دارؒ کا مزار ہے اور ان کے پائیں ان کے صاحبزادے خواجہ عزیز الملۃ و الدینؒ کا مزار ہے۔ بائیں طرف ہی ذرا فاصلے پر ایک چہار دیواری میں خواجہ رفیع الدین ہارونؒ اور خواجہ صالح کا مزار ہے۔ اور اسی چہار دیواری کی جنوبی دیوار کے پاس کھرنی کا پرانا درخت ہے۔ اور یہ مشہور ہے کہ اس کا پودا مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے لگایا تھا۔

دروازے کے سامنے ہی ایک وسیع چبوترہ ہے۔ اور اس پر کئی قبریں ہیں اور حظیرے کے جنوب میں سرتاسر قدیم عمارت ہے۔ چبوترے کے پاس ہی سے ایک راستہ مغرب کو مڑتا ہے اور دو چار قدم چلنے کے بعد حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ کا دروازہ آجاتا ہے اور برآمدے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ داخل ہوتے ہی دائیں جانب ایک قبر ہے جو خواجہ شمس الدین ماہ روؒ کی بتائی جاتی ہے۔ اسی کے سرہانے حضرت امیر خسروؒ کے مزار پُر انوار کے گنبد کا دروازہ ہے۔ اور گنبد کے بیچ میں مزار ہے۔ تاریخِ وصال ۱۷ شوال ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کا مزار بلا گنبد اور بلا حجرے کے تھا۔ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء عہد بابری میں سید مہدی مرحوم نے چوبی کٹہرا بنوایا اور مزار کے سرہانے لوح نصب کرائی جس پر

کلمہ طیبہ اور پھر شعر کندہ ہیں۔ آخری شعر یہ ہے ؎

شد عدیم المثل ۷۲۵ھ یک تاریخ او
دیگرے شد طوطی ۷۲۵ھ شکر مقال

اس کے بعد تین شعر اور ہیں اور آخر میں یہ عبارت ہے:

"حررہ شہاب الدّین المعمائی الہروی"

بعد ازاں ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء عہد جہانگیر میں طاہر محمد عماد الدّین حسین مرحوم نے آپ کے مزار پُر انوار کے گرد مجر اور مرمریں بُرج تعمیر کرایا جو نہایت خوبصورت اور بہت دیدہ زیب ہے گنبد کے اندرونی دیوار کے سرے پر بھی اشعار کندہ ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

تاریخ بنایش عقل گفتا
یا روضہ بگو کہ جاے رازست

اور یہ عبارت بھی ہے:

قائل ایں کلام و بانئ این مقام طاہر محمد عماد الدّین حسین
ابن سلطان علی سبزواری سنہ ۱۰۱۴ھ غفر ذنوبہ و ستر عیوبہ الکاتب
عبدالنبی بن ایوب۔

اس کے علاوہ سنگ سرخ کی جالیوں کی پیشانی پر بھی اشعار کندہ ہیں اور کیواڑوں پر بھی اور طاق میں بھی ایک کتبہ ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کے روضے کے باہر جانب شمال و غرب جالیوں سے ملا ہوا مزار خواجہ مبشرؒ کا ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے خادم تھے۔ ان ہی کے پاس جانب غرب ان کے صاحبزادے خواجہ نور الدّینؒ کا مزار ہے۔ کچھ فاصلے پر حظیرے کی مغربی دیوار کے پاس ایک چبوترے پر خواجہ اقبالؒ کا مزار ہے یہ بھی حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے خادم خاص تھے، جنھیں حضرت محبوبِ الٰہیؒ سلطان قطب الدّین مبارک خلجی کے ہاں ماہ نو کی مبارکباد

Marfat.com

دینے کے لیے بھیجا کرتے تھے[1]

خواجہ اقبالؒ کے مزار سے جانب جنوب قطبی دروازے کی طرف جانے کے لیے دروازہ ہے۔ اس کے باہر نواب خاں دوراں خاں کی مسجد ہے۔ جسے جنوں کی مسجد بھی کہتے ہیں اور اس کے سامنے خواجہ ابوبکر منڈہؒ[2] کا مزار ہے جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے سب سے پہلے مرید تھے۔

حضرت امیر خسروؒ کے روضے کے سامنے مردہ اکرم کی سہ دری ہے۔ جس میں کئی قبریں ہیں۔ اس کی پشت پر ایک قدیم سنگین عمارت ہے۔ جس میں خواجہ حسن ثانی ابن خواجہ حسن نظامیؒ کا دفتر[3] ہے اور اس میں ایک[4] مزار بھی ہے اس کے دروازے کے دائیں بائیں ضیاء برنی[5] اور شمس سراج عفیف تاریخ فیروز شاہی کے مصنفین کے مزارات ہیں۔ اس عمارت سے ملحق مشرق میں ایک زینہ ہے اس سے ملحق ایک قدیم عمارت ہے جو دو حجروں میں منقسم ہے دوسرے حجرے میں درگاہ شریف کی مسجد کے امام

---

۱ : سیر الاولیا ص۱۵۰ ج

۲ : امیر خوردؒ نے لکھا ہے : در حظیرۂ سلطان المشائخ درمیان چبوترۂ یاراں (سیر الاولیاء ص۲۹۴) اور وہ اس سمت کو پایانِ روضۂ سلطان المشائخ لکھا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ محل وقوع مشکوک ہے مشرقی حصے میں ہونا چاہیے۔ ملاحظہ ہو، کتاب ہٰذا کا ص۱۱۳ ۔

۳ : غالباً یہ عمارت طاق بزرگ کے نام سے موسوم تھی چنانچہ امیر خوردؒ لکھتے ہیں کہ و طائفہ مسافراں و حیدریاں و قلندراں در طاق بزرگ کہ در پایاں روضہ است آں جا سماع می شنیدند و رقص می کردند ۔ (سیر الاولیا ص۲۲۷) یہی عمارت پایاں روضہ میں ہے ۔

۴ : بعض اہل علم کا بیان ہے کہ یہ ایک شطاری بزرگ ابراہیم ایرجیؒ کا مزار ہے ۔

۵ : مزار کا محل وقوع مشکوک ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا کا حاشیہ ص۱۱۳

صاحب کی نشست گاہ ہے۔ اس عمارت سے چپاں ایک اور قدیم عمارت ہے۔ اور یہ بھی اب تین حجروں پر منقسم ہے۔ پہلا حجرہ چودھری حسن مثنی صاحب کی نشست گاہ ہے دوسرا حجرہ سید عبد اللطیف دہلوی مرحوم کے ورثا کی قیام گاہ ہے اور تیسرا حجرہ درگاہ کا مشعل خانہ ہے۔ جو اب ویران پڑا ہے۔ اس کے پاس قدیم لنگر خانے کی عمارت ہے جو جانب جنوب وسیع حصۂ زمین پر مشتمل ہے اس کے جنوب مشرقی گوشے میں درگاہ امیر خسروؒ کا شرقی دروازہ ہے۔ جو دُہرا اور بلند ہے۔ جنوب میں کھرنی کا درخت اور دیوار ہے۔

صفہ ستون [۱]

اب اسے قدیم لنگر خانہ کہتے ہیں اور اس کے بعض دروں کی پشت پر تیغہ لگا کر ان کا رُخ حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ میں کر لیا ہے جن میں سے ایک میں جاروب خانہ ہے۔ دوسرے میں فراش خانہ ہے اور تیسرے میں درگاہ شریف کا تعمیری سامان رہتا ہے، کسی نے جاروب خانے پر طاق بزرگ لکھ دیا ہے جو نہایت مضحکہ خیز امر ہے۔

مشرقی دروازے کے نزدیک ہی حضرت حاجی لعل محمد شاہؒ [۲] (المتوفی ۱۲ ار رمضان ۱۲۴۰ھ) کا مرمریں مزار ہے اور اس سے ملا ہوا جانب جنوب قاضی قطب الدین کاشانی کا مزار ہے۔ اس دروازے کے باہر جانب جنوب ایک قدیم عمارت ہے۔ جو لنگر خانے کے نام سے مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی عمارت ہو جسے امیر خورد کرمانیؒ نے صفہ ستون کے نام سے یاد کیا ہے اور جہاں شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانیؒ نے حضرت

---

۱ : سیر الاولیا ص ۱۳۷

۲ : مولانا محمد علی خاں صاحب ہوشیار پوری کی طرف سے سالانہ عرس ہوتا ہے۔

Marfat.com

محبوبِ الٰہیؒ سے ملاقات فرمائی تھی۔ یہ ایک نہایت مضبوط عمارت ہے۔ اس میں متعدد ستون ہیں۔ اور اسی کے ایک چوتھائی حصے میں تیغہ دے کر جاروب خانہ وغیرہ بنا لیا گیا ہے۔ اس عمارت کے مشرق میں شمال رویا زینہ ہے۔ اس عمارت پر درگاہ شریف کے گرد و پیش کے حالات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

بیرونی عمارتیں اور مزارات

درگاہ شریف کے قرب وجوار میں بے شمار مزارات، مقبرے اور عمارتیں ہیں۔

بقول حالیؔ ؎

پ چپے چپے پہ ہے یاں گوہرِ یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

اگر ان سب کے حالات لکھے جائیں تو کئی کتابیں مرتب ہو جائیں۔ لہٰذا یہاں سرسری سا ذکر کیا جاتا ہے:

شمع برُج

یہ عمارت درگاہ شریف کے باؤلی دروازے کے سامنے ایک وضعدار گنبد کی شکل میں ہے۔ گنبد شمع کی صورت ابھرا ہوا ہے۔ اس لیے اس کو شمع برُج کہتے ہیں۔ گنبد کے گرد کٹ گورا اور تین دروازے ہیں۔ مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ جو کبھی بہت خوبصورت ہوگا۔

بقول خاقانیؔ ؎

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادیدِ عجم را

Marfat.com

دائیں بائیں دو نشیمن ہیں جو اب ٹوٹ گئے ہیں۔ اور یہ دراصل اس قبرستان کی مسجد ہے۔ جو اس کے گرد و پیش ہے۔ صدر دروازے کی پیشانی پر گچ سے کتبہ منقوش تھا جو اب بہت کچھ جھڑ گیا ہے۔ اس کتبے میں کئی آیتیں اور حدیثیں منقوش تھیں جن میں سے بعض پڑھی جاتی تھیں اور ان میں سے دو آیتیں یہ تھیں:

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ [۱]

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ [۲]

گنبد کے اوپر جانے کے لیے دو طرفہ زینہ ہے جس میں پچیس پچیس سیڑھیاں ہیں اسی لیے اس کو دو سیڑھیا گنبد بھی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ کنواں اور پختہ احاطہ بھی ہے جو اب شکستہ ہو گیا ہے۔ اور اس میں میرے خاندان (عرب سرائے دلی) کی بکثرت قبریں ہیں۔ گنبد کے جنوب مشرقی گوشے میں ایک پرانا نیم کا درخت ہے اور اس کے نیچے میرے ایک بزرگ میر امانی کی قبر ہے جس کا حوضہ کچا ہے۔ ان کے پائیں میرے خسر سید دولت علی بیگل کی قبر ہے۔ ان کے پائیں میری اہلیہ مسماۃ اقبال جہاں بیگم [۳] کی قبر ہے اور ان کے دائیں

---

[۱]: پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۸ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور قیامت پر۔

[۲]: پارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۵ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یہ اور اس کے علاوہ کئی اور آیتیں اور واقعات دار الحکومت دہلی حصہ ۲ صفحہ ۸۷ میں بھی نقل کی ہیں۔

[۳]: جمعرات ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹ اگست ۱۹۵۴ء علی الصباح اللہ کے گھر سدھاریں بہت ہی سلیقہ شعار اور شائستہ خاتون تھیں۔ ادبی ذوق بھی بہت ستھرا تھا میرے مسودات پر نظر ثانی کر لیا کرتی تھیں بچوں کے لیے ہلکی پھلکی زبان میں کہانیاں بھی لکھا کرتی تھیں آخری کہانی رسالہ پھول دلی دسمبر ۱۹۵۴ء ۱۳۷۴ھ میں چھپی تھی کہ خود کہانی ہو گئیں۔ تیسرے دن نوزائیدہ بچہ حسین موسیٰ بھی ان ہی کی آغوش میں جا سویا۔ اب ان کی یادگار میری پیاری بچی محمودہ بانو ہے اللہ تعالیٰ عمر دے اور اپنی رضا سے نوازے۔ آمین!

Marfat.com

طرف میرے لڑکے حسین موسیٰ کی قبر ہے۔ حسین موسیٰ کے سرہانے میرے ایک درویش دوست عارف شاہ حیدر آبادی کی قبر ہے۔ اور ان کے دائیں جانب الحاج سید مقبول حسن زیدی کے نومولود بچے کی قبر ہے۔ حسین موسیٰ کی پائیں میری نینا ساس مسماۃ زہرہ بیگم زوجہ سید سلیمان مارہریروی کی قبر ہے اور ان کے بائیں جانب الحاج سید مقبول حسن زیدی کی ہمشیرہ مسماۃ صغریٰ بیگم کی قبر ہے اور اسی طرح بے شمار اہلِ خاندان کی قبریں ہیں بعض خاندانی مصالح کی بنا پر گنبد کے وسط میں ایک صاحب کو دفن بھی کر دیا گیا تھا۔ اور یہ قبر خام ہے۔ اس گنبد کے شمال میں ایک شکستہ مسجد ہے۔ حال میں کچھ بے گھروں نے اس میں گھر بنا لیا ہے۔ دلّی وقف بورڈ کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اس کے سامنے ہی ایک شکستہ مسجد کی باقی ماندہ دیوار کھڑی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔ اسی طرح ایک اور عمارت پینڈے کے بل بیٹھ گئی ہے۔ مگر کوئی پرسانِ حال نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ان کی قبر پر ہیں اور نشاں کچھ بھی نہیں

بارہ کھمبہ

یہ عمارت شمع برُج سے جانب شرق اس سڑک کے ترا ہا پر ہے۔ جو لودھی روڈ سے درگاہ شریف کو جاتی ہے۔ اس عمارت کی ساخت بتاتی ہے کہ یہ لودھی عہد کی یادگار ہے۔ بیچ میں ایک گنبد ہے جس کے بارہ ستون ہیں۔ غالباً اسی لیے اس کو بارہ کھمبہ کہنے لگے ہیں۔ گنبد کے چو طرفہ غلام گردش ہے۔ یہ عمارت نہایت سنگین اور چوکور ہے بیچ میں دو قبریں تھیں مگر اب ان کا نشان بھی نہیں۔ نصف صدی پہلے اس میں مڈل سکول بھی تھا۔ یہ عمارت محکمۂ آثارِ قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

Marfat.com

لال محل

بارہ کھمبے سے جانب شرق سڑک کے کنارے سرخ پتھر کی خوشنما عمارت ہے۔ اس کی ساخت منھ سے پڑی بول رہی ہے کہ یہ عہد بلبن کی یادگار ہے اور عہد خلجی سے پہلے کی ہے۔ میں نے دیرینہ سال بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ اس کے آس پاس اور بھی عمارتیں تھیں اور اس کا احاطہ مقبرۂ ہمایوں تک وسیع تھا۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ یہ اسی عمارت کا باقی ماندہ حصہ ہے جسے عہدِ وزارت میں سلطان غیاث الدین بلبن نے تعمیر کرایا تھا۔ اور جس کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اور جسے قلعہ سرزغن سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اسی کے محل وقوع کا نام غیاث پور تھا[1]

اسے کوشک لال تصور کرنا خالی از خطا نہیں۔ تاریخ[2] فیروز شاہی برنی کے بیان کے مطابق کوشک لال قدیم دلّی میں تھی جو قلعۂ پتھورا[3] کے نزدیک تھی اور اسی کوشک لال سے سلطان غیاث الدین بلبن کے جنازے کو دارالامان میں لے جاکر دفن کیا تھا۔ اور قدیم دلّی مہرولی کے شمال مشرق میں ایک بڑا شہر تھا اور آخری عباسی خلیفہ کا پوتا اس محل میں نہیں بلکہ سیری[4] کے ایک محل میں ٹھیرا تھا اور سلطان محمد تغلق نے سیری کا تمام شہر ابن خلیفہ کو بخش دیا تھا اور ابن بطوطہ نے بھی کوشک لال کو شہر دلّی ہی میں لکھا ہے۔ اور اسی میں سلطان محمد تغلق کی بہن کی شادی ہوئی تھی۔ کوشک لال کے واقعات کو لال محل

---

[1] آثار الصنادید پہلا حصہ ص ۴۵

[2] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۸۰

[3] واقعات دار الحکومت دہلی حصہ سوم ص ۳۲۸، ۳۲۹

[4] ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۲

Marfat.com

سے خلط ملط کرنا تاریخی لغزش ہے ۔

بہرحال یہ ایک خوش نما عمارت ہے اور عہد مغلیہ میں یہ عمارت میر محمد علی عرف میر محمدی بیدار دہلوی کی ملک تھی جو عرب سرائے دلّی کے عربوں میں سے تھے اور راقم کے اجداد میں سے تھے اور حضرت مولانا فخر الدّین فخر جہاںؒ کے خلفا میں تھے ۔ بادشاہ گردی کے زمانے میں آگرے چلے گئے تھے وہیں سنہ ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء میں انتقال ہوا[۱] سیلب کے بازار آگرہ میں مزار ہے اور مقبرے کا راستہ اب ایک دکان میں سے ہے[۲] یہ محل انھوں نے اپنے مرشد کی اہلیہ کو سونپ دیا تھا۔ اب یہ ان ہی کے ورثا کے قبضے میں ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۴ھ کے انقلاب میں نظام الدینؒ[۳] نامی ایک صاحب نے جو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی درگاہ کے متوسلین میں تھے اور انگریزوں کے بہی خواہ تھے اس محل کی ضبطی کے لیے درخواست دی تھی لیکن چونکہ یہ میاں کالے صاحبؒ کی اہلیہ کے ترکہ میں آیا تھا اس لیے واگزار ہوگیا تھا۔ بہرحال راقم مدت مدید سے مع عزیزان و برادران اس محل میں مقیم ہے ۔

چوسٹھ کھمبہ ۱۰۳۴ھ

تبلیغی مرکز کے جنوب میں چوسٹھ کھمبہ کی عالی شان عمارت ہے۔ یہ دراصل عزیز کوکلتاش کا مقبرہ ہے۔ جو شہنشاہ اکبر اعظم کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس کی ماں ماہم انگہ نے اکبر بادشاہ کو دودھ پلایا تھا ۔

اس کا شمالی دروازہ نہایت پختہ اور سنگین ہے۔ دروازہ دُہرا ہے اور دونوں جانب نشیمن ہیں۔ دروازے کے سامنے وسیع صحن ہے اور مغرب کی طرف ایک بلند چبوترے پر چوسٹھ کھمبے کی عمارت ہے۔ جو تمام تر سنگِ مرمر کی ہے عمارت کیا ہے ایک ہال ہے۔ جو کھمبوں پر مشتمل ہے۔ کھمبے اس خوبی سے نصب کیے ہیں کہ آسانی سے چوسٹھ[۶۴] گنے نہیں جاتے۔ بیرونی دروں میں مرمریں جالیاں لگی ہوئی ہیں

---

۱ : تذکرہ گلستانِ بیخزاں باطن ص ۳۶، ۳۷۔ باطن بھی عرب سرائے ہی کے تھے اور میاں کالے صاحب سے بیعت تھے۔ ۲ : خم خانۂ جاوید جلد ۱ ص ۶۶۳ تذکرہ ہندی مصحفی ص ۲۱ ۳ : مرقع اسناد

اور عمارت میں داخل ہونے کے لیے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ فرش بھی مرمریں ہے لیکن کہیں کہیں سنگ سُرخ لگا ہوا ہے اور یہ بعد میں لگایا گیا ہے[۱] اس کے احاطے کا ایک چھوٹا سا دروازہ مغرب میں ہے۔ یہ عمارت کو کلتاش نے اپنی حیات میں تعمیر کرائی تھی۔ مرزا کو کلتاش کی قبر پر ان کا نام اور سنِ وفات کندہ ہے۔ اور اب یہ عمارت محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

مزارِ غالبؔ

یہ چوسٹھ کھمبے کی شمالی دیوار کے نیچے مرزا غالبؔ کا مزار ہے۔ مرزا غالبؔ اُردو فارسی کے مشہور شاعر گزرے ہیں اور فارسی اردو نثر نگاری میں بھی انہیں کمال حاصل تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹۹)

[۱] : یہ عمارت چوکور ہے ہر طرف ستونوں کی چھ چھ قطاریں ہیں۔ چاروں گوشوں پر چار چار ستون ہیں جو کل ۱۶ ہیں باہر کی طرف کی چوطرفہ قطاروں میں دو دو ستون ہیں اور یہ کل ۳۲ ہیں باقی ۱۶ استون اکہرے ہیں اور اس طرح یہ چوسٹھ ہو جاتے ہیں۔ ۱۶ + ۳۲ + ۱۶ = ۶۴

(صفحہ ھذا) [۱] : ۷، اگست ۱۸۴۹ء / ۱۲۶۶ھ جمعہ صاحب مجسٹریٹ نے گنیش لال محرر کمشنری سے فرمایا کہ درگاہ نظام الدین کے خادم چوسٹھ کھمبے کے سنگِ مرمر جا کر فروخت کرتے ہیں، تحقیق کر کے اطلاع دو۔ محرر مذکور فوراً گیا اور کچھ دیر کے بعد حاضر ہو کر عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے سپاہیوں کا پہرہ وہاں رہتا ہے۔ میں نے سپاہیوں کو تاکید کر دی ہے۔ اور وہاں کے تھانے دار کو بھی اطلاع دے دی ہے۔ صاحب نے فرمایا: دریافت کر کے اطلاع دو کہ شاہی سپاہیوں کا پہرہ وہاں کب سے کب تک رہتا ہے؟ (ترجمہ سر ٹامس مٹکاف کی ڈائری ص ۲۱۹)

محرر مذکور نے کیا خوب تحقیق کی یقیناً سپاہی بھی شریک ہوں گے اور گنیش ؔ نے بھی حصہ بٹا لیا ہوگا۔ سبحان اللہ وزیر چنیں و شہریار چناں۔ غالباً چوری شدہ پتھروں ہی کی جگہ سنگ سرخ لگا دیا گیا ہے۔

Marfat.com

کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں بلکہ دیوانِ غالب سے تو سب ہی واقف ہیں۔ باغ و بہار آدمی تھے۔ اور استاد ذوقؔ کے بعد بادشاہ کے استاد ہو گئے تھے۔ ۲؍ ذیقعد ۱۲۸۵ھ ہجری بمطابق ۱۵؍ فروری ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا۔[1] ہر سال ان کے مزار پر یوم غالب کا جشن ہوتا ہے۔

ان کی قبر بہت خستہ و خراب ہو گئی تھی تو مولانا محمد علی جوہرؔ نے پبلک سے اپیل کی اور اسے از سر نو بنوا دیا تھا۔ ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء میں مولانا ابو الکلام آزادؒ کی توجہ سے غالبؔ سوسائٹی کے زیر نگرانی قبر کو مرمریں بنوا دیا گیا اور مُجّر بھی مرمریں بنوا دیا گیا۔ جو جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوئٹے کے مقبرے جیسا ہے۔ نقش و نگار نہایت خوشنما اور بہت ہی دیدہ زیب ہیں۔

مزارِ غالب کے احاطے کی شرقی دیوار کے نیچے ایک احاطہ میں مرزا غالبؔ کے خسر نواب الٰہی بخش معروف کی قبر ہے۔ معروفؔ اردو کے مشہور شاعر تھے اور استاد ذوقؔ سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ اور صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔ غربی دیوار کے نیچے ایک تکونیہ قبرستان ہے جو قبرستان خاندان امّو جان کے نام سے مشہور ہے۔

خواجہ محمّد امامؒ

چوسٹھ کھمبے کے مغربی دروازے کے سامنے ایک احاطے میں خواجہ محمد امامؒ کا مزار ہے جو مولانا بدرالدّین اسحاق دہلوی کے صاحبزادے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے نواسے تھے۔ اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے امام و خلیفہ تھے۔

کمرہ مرزا سلیمان جاہ

مرزا سلیمان جاہ دلّی کے نامور رئیس اور شاہی خاندان کے معزز رکن تھے۔

---

[1] یادگار غالب حالی ص ۹۰

ان کا بنایا ہوا کمرہ تو اب رہا نہیں لیکن ملبہ اس کا موجود ہے۔ اسی کی اراضی مزارِ غالب سے شمال میں ہے اور درمیان میں سڑک حائل ہے۔ جو مغرب میں چبوترۂ یاراں تک وسیع ہے اس اراضی کے مغربی حصے میں حافظ محمد حیات کا مزار ہے جو زمین دوز تھا۔ اب اسے نکلوا دیا ہے۔ مرزا مرحوم کی نواسی شہزادی تیمور جہاں بیگم صاحبہ نے جو ایک معزز خاتون ہیں اور قومی و وطنی خدمات میں فراخ دلی سے حصہ لیتی ہیں اس اراضی کو آزادی کے علمبردار مسٹر آصف علی مرحوم کی یادگار کے لیے مخصوص کر دیا ہے[1] اور ایک کمیٹی کے حوالے کر دیا ہے۔ جس کی ایک رکن وہ خود بھی ہیں اور اس کے کنوینر حکیم سید حسن دہلوی ہیں۔ اسی اراضی کے شمالی رُخ پر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی محترمہ خوش دامن مسماۃ الحاجہ میرجان بیگم کی قبر ہے۔ جو نیک سیرت خاتون تھیں اور دلّی کے سفر میں ۹ر شعبان ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء کو اچانک ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ محترمہ کے مزار کے مغرب میں تیموری خاندان کے شہزادوں کے مزارات ہیں۔ ان ہی میں مرزا سلیم محمد شاہ کا مزار ہے جو شہزادی تیمور جہاں بیگم صاحبہ کے والد محترم تھے۔ تاریخ وفات ۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء / ۱۳۴۴ھ ہے۔

مزارِ آصف

کمرہ مرزا سلیمان جاہ کی اراضی کے مشرق میں خواجہ حسن نظامیؒ کے خاندان کا قبرستان[2] ہے جو تبلیغی مرکز کی پشت پر ہے۔ اسی میں مسٹر آصف علی بیرسٹر ایٹ لا کی قبر ہے جو بہت قیمتی سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ مسٹر آصف علی اچھے ادیب اور شاعر

لہ ؛ وطن دشمن عناصر اس کوشش میں ہیں کہ یادگار آصف تعمیر نہ ہو۔

لہ ؛ اسی قبرستان میں سید رضی حسن صاحب مالک کتب خانہ رضوی دلّی کے والد سید ممتاز حسن صاحب کا بھی مزار مبارک ہے۔

Marfat.com

بھی تھے اور آزادیٔ ہند کے علم برداروں میں بھی تھے۔ عمر کا بڑا حصہ قید و بند میں گزارا۔ آزادیٔ ہند کے بعد پہلے امریکہ میں سفیر رہے پھر اڑیسہ کے گورنر ہوئے پھر سوئزرلینڈ کے لیے سفیر بنا دیئے گئے۔ سوئزرلینڈ ہی میں تھے کہ انتقال ہو گیا۔ پھر حکومت ہند نے ان کی میت کو دلّی منگالیا اور سپردِ خاک کیا۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو نے اور حکومت کے ذمہ دار عہدہ داروں نے اور شہر کی عام پبلک نے دفن میں شرکت کی۔ ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء / ۱۳۰۶ھ تاریخ پیدائش ہے اور ۲ اپریل ۱۹۵۳ء / ۱۳۷۳ھ تاریخ وفات کندہ ہے۔

مزاراتِ اولیاء

کمرہ مرزا سلیمان جاہ بلکہ اراضی قبرستان مرزا قمقام الدّین کے مغرب میں ایک طویل احاطہ ہے۔ جو برجی کے گنبد کے شمال میں ہے۔ اس احاطے میں مولانا علاء الدّین نیلیؒ مولانا شمس الدّین یحییٰؒ اور مولانا فخر الدّین مروزیؒ کے مزارات ہیں۔ یہ حضرات صوفیٔ کامل اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ اور پہلے دونوں بزرگ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے معزز خلیفہ تھے۔

خواجہ تقی الدّین نوحؒ

حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے پسرِ خواہر زادۂ حقیقی تھے، حافظ قرآن تھے اور شبِ جمعہ کو ایک قرآن پاک ختم کر لیا کرتے تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے ایک دفعہ حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ یہ بہت ہی نیک ہے۔ اسے عزیز رکھا کرو غرض کہ ان کی نکوکاری کی بہت

لہ: فوائد الفواد جلد ۲ ص ۸۸، ۸۹

Marfat.com

ہی تعریف کی اور ایسے محبت بھرے لفظوں میں کی کہ پڑھنے سے رشک آتا ہے۔ ۱۲؍شوال ۷۱۲ھ میں حیات تھے۔ اور حضرت محبوب الٰہیؒ سے مشارق الانوار پڑھا کرتے تھے جو حدیث کی بلند پایہ کتاب ہے۔ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے انھیں خلافت بھی عطا فرما دی تھی۔[1]

امیر خورد کرمانیؒ

خواجہ نوحؒ کے مزار سے آگے جانب غرب مرزا الٰہی بخش اللہ بیگ اور دیگر بزرگوں کے مزار ہیں پھر درگاہ شریف کی باؤلی کے مشرقی رُخ پر ایک بڑے احاطے میں کرمانیؒ خاندان کے مزارات ہیں۔ ان ہی میں امیرِ خورد کرمانیؒ کا مزار ہے۔ جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے خورد سال مریدوں میں تھے۔ لیکن حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی عظمت و محبت ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی۔ نہایت اچھے شاعر اور نثر نگار تھے۔ انھوں نے حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی بے مثل سوانح حیات لکھی ہے۔ جس کا نام سیر الاولیا ہے مگر اس کی وہ نقل جو ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں تیار ہوئی اور اس سے جو نقلیں لی گئیں وہ سب الحاق اور تحریف سے بھرپور ہیں۔ (اس کی ایک نقل چرنجی لال ایڈیشن ہے)

بری کا گنبد

یہ گنبد مولانا علاؤ الدّین نیلیؒ کے مزار سے جنوب میں ہے۔ امیر خورد کرمانیؒ نے مولانا علاؤ الدّین نیلیؒ کے مزار پُرانوار کی نشان دہی میں لکھا ہے "پیش در گنبد دہلیز درونی چبوترہ است متصل مقابر یاراں.. مدفن یافت"[2] گویا کہ جس کو اب بری گنبد

---

[1] : سیر الاولیا صہ ۲۰۴
[2] : ایضاً صہ ۲۷۸

کہتے ہیں۔ یہ دراصل گنبد دہلیز ہے۔ غالباً اسی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ در گنبد دہلیز میانگی کہ نزدیک چبوترۂ مقابر یاراں است[1] اب اس گنبد میں صاحبزادہ احمد علی جمال شاہ کمبل پوش کا مزار ہے۔ یہ بزرگ میرے والد بزرگوار کے بچپن کے دوست تھے۔

خانقاہ مرزا بہرام شاہ

مرزا بہرام شاہ شاہ عالم بادشاہ کے صاحبزادے تھے۔ اور مرزا ابلاقی مرحوم کے نانا تھے۔ درویش صفت شہزادے تھے۔ ان کی خانقاہ بری کے گنبد سے جنوب مغرب میں ہے۔ اس کا راستہ اس سڑک سے ہے جو کمرہ مرزا سلیمان جاہ کے پاس سے گزرتی ہوئی مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ سامنے ہی ایک بڑا دروازہ ہے پھر تنگ گلی سے نکل کر سامنے ہی خانقاہ کا چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس خانقاہ میں کئی قبریں ہیں۔ جن میں سے دو پر لمبی لوح مزار لگی ہوئی ہیں۔

مقبرہ اتکہ خاں ۹۷۰ھ

خواجہ شمس الدین نام اور خان اعظم اور اتکہ خاں خطابات تھے۔ ان کی اہلیہ ماہم انگہ نے شہنشاہ اکبر اعظم کو دودھ پلایا تھا۔ مرزا عزیز کوکلتاش ان ہی کے صاحبزادے تھے اتکہ خاں کو ادہم خاں نے شہید کر دیا تھا۔ ان کی لاش کو آگرے سے لاکر دلّی میں دفن کیا اور عزیز کوکلتاش نے مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ درگاہ شریف کے مشرق میں ہے خانقاہ مرزا بہرام شاہ میں سے راستہ ہے۔ اور یہ نہایت خوشنما عمارت ہے۔ سنگِ مرمر

---

1 : سیر الاولیا صـ ۱۳۷

Marfat.com

اور سنگِ سرخ کے ساتھ اور بھی رنگ برنگ کے پتھروں کی آمیزش ہے۔ گل کاری نہایت لطیف اور جاذبِ نظر ہے۔ قرآن پاک کی آیتوں کو اس خوبی سے منقش کیا ہے کہ حروف کی نوک پلک کو گویا چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھ کر حیرت سے کہا کہ خط نادراتِ زمانہ ہے ایسا خوشنما کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، اس کا احاطہ وسیع اور پختہ ہے اور اس میں ایک دہری سہ دری بھی ہے اور اب یہ عمارت محکمۂ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے۔

مکان منشی سعادت علی مرحوم

یہ عمارت حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ کے مشرقی دروازے کے باہر راستے سے جانبِ شرق ہے۔ سُرخ پتھر کا بنا ہوا نازک سا مکان ہے۔ اس کے زیریں حصّے میں منشی سعادت علی خاں مرحوم کے خاندان کی قبریں ہیں۔ ان کے ورثا کچھ تو حیدرآباد میں ہیں اور ایک وارث سید عزیز الحسن صاحب کوچہ چیلاں دلّی میں رہتے ہیں۔ یہ مکان وقف ہے۔ اس کے بالائی حصے میں راج رہنے لگے ہیں۔

عقب لنگر خانہ

صفہ ستون جسے اب لنگر خانہ قدیم کہتے ہیں۔ ملبہ پڑتے پڑتے اس کا پچھواڑا چھت سے جا ملا ہے۔ وابستگانِ درگاہ کی عادت یہ ہے کہ جب قبروں کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ تو پرانے قبرستان میں کئی کئی فٹ ملبہ بھروا دیتے ہیں اور پھر اس میں دفن کرانے لگتے ہیں۔ اسی لیے سطح زمین بے حد بلند ہوگئی ہے یہی حال عقب لنگر خانے کا ہے لنگر خانے کے پچھواڑے راستے سے جانب شرق شمس العلما خواجہ حسن نظامیؒ کے والد ماجد حضرت سید عاشق علی مرحوم کا مزار ہے جو ایک راوٹی میں ہے۔

Marfat.com

مسجد

سید عاشق علی مرحوم کے مزار کے شرق میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے اب نل والی مسجد کہتے ہیں، کیونکہ اس کے قریب ہی پبلک ہائی ڈینٹ لگا ہوا ہے۔ پہلے اسے لکھوا والی مسجد کہتے تھے۔ دالان کی پیشانی پر ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس میں اس کا نام شرف المساجد کندہ ہے مگر یہ کتبہ کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے۔

مشائخ منزل

یہ عمارت سید عاشق علی مرحوم کے مزار سے جانب جنوب ہے۔ اس کے نام سے ظاہر یہ ہے کہ یہ قیام گاہ ہے۔ اس کے شمالی حصے میں مختصر سا مسقف دالان ہے۔ اسی میں صاحبزادہ شرف الدینؒ اور ان کے صاحبزادے غلام معین الدینؒ کے مزارات ہیں۔ صاحبزادے شرف الدینؒ سے میرے والد مرحوم سید ابراہیم حسین حسنی حسینی قادری چشتیؒ کے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ جب ملاقات ہوتی مجھ سے فرماتے چچا کو سلام کیا۔ صاحبزادے صاحب فرماتے : برخوردار نے سلام کر لیا۔ پھر والد مجھے ایک اٹھنی دیتے اور فرماتے چچا کی نذر کرو۔ وہ قبول فرما لیتے، سر پر ہاتھ پھیرتے اور دعا دیتے پھر دونوں میں خوشگوار گفتگو ہونے لگتی۔ تھوڑی سے دیر میں یہ مجلس برخواست ہو جاتی اور بقول شخصیکہ

ع بلا کشان محبت بکوے بار روند

کا مضمون صادق آتا۔ اللہ اللہ کیا گمبھیر وضع کے بزرگ تھے۔ آنکھیں آج بھی دیکھنے کو ترستی ہیں۔

صاحبزادے غلام معین الدینؒ تو کل کی سی بات ہے۔ آنکھوں دیکھتے سامنے

Marfat.com

سے اٹھ گئے۔ بڑے ہی رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے اور بارسوخ بھی تھے۔ تین پہیوں کی سائیکل پر سواری کیا کرتے تھے۔ کیسے بے زبان اور باادب تھے کہ سبحان اللہ ان کے والد بازار ہو یا محفل جو مونھ میں آتا کہہ دیتے۔ مگر کیا مجال جو پیشانی پر بل آئے یا مونھ سے کچھ نکل جائے یہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے نادرِ زمانہ تھے۔

نواب مغل بیگ خانِ عرب

خانِ عرب کا نام میر محمد عوض تھا۔ اور مغل بیگ عرف اور خانِ عرب خطاب تھا۔ عرب سرائے دلی کے عربوں میں سے تھے۔ اور میری دادی محترمہ ولایتی بیگم مرحومہ کے سگے ماموں تھے اور حاجی لال محمد شاہؒ سے بیعت و مجاز تھے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور اہلِ علم تھے۔ حاجی لال محمد شاہؒ کے حالات و کرامات سے متعلق ایک مختصر سی کتاب بھی ان کی لکھی ہوئی تھی۔ جس کا قلمی نسخہ میرے پاس تھا جو ۱۹۴۷ء کی لوٹ مار میں میرے اثاث البیت کے ساتھ لٹ گیا۔ یاد آتا ہے تو دل ململاتا ہے اور آنکھیں اسے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ ان کا مزار قدیم لنگر خانے کی پشت پر ہے اور خواجہ حسن نظامیؒ کے والد بزرگوار کے مزار سے جانب غرب ہے۔ سنگ باسی کا تعویذ ہے اور لوحِ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

هوالغفار

شد مغل بیگ خانِ عرب داخل بہ جلد

۱۲۷۱ھ

ان کے پہلو میں ان کی عزیز صاحبزادی اولیا بیگم کی قبر ہے۔ میں نے انھیں خوب دیکھا ہے۔

لہ: حاجی لال محمد شاہؒ کا سالانہ عرس ۱۲ رمضان شریف کو حضرت مولانا علی محمد خاں صاحب ہوشیارپوری مدظلہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اور سجاد حسین صاحب انتظام کرتے ہیں۔

بلکہ ان کی گودوں کھلایا ہوں بہت ہی ضعیفہ اور عفیفہ تھیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ بڑھاپے میں بھی میدہ و شہاب تھیں۔ میری تو دادی ہوتی تھیں۔ مگر میری والدہ مرحومہ کی نانی تھیں۔ وہ نانی جان کہتی تھیں تو میں بھی نانی جان ہی کہتا تھا۔ عزیز میاں صاحب نیازی ان ہی کے حقیقی پوت داماد ہیں۔ غرض کہ آس پاس جتنی قبریں ہیں وہ سب میرے ہی خاندانی بزرگوں کی ہیں۔ ان میں سے بعض پر سنگ باسی کے تعویذ ہیں۔ درگاہ شریف میں قاضی سید قربان علی[1] مرحوم خانِ عرب کے وکیل تھے۔ جن کے خلف رشید اب قاضی سید صفدر علی صاحب ہیں۔

نواب احمد بخش خاں

خانِ عرب کے مزار سے جانب غرب ذرا فاصلے پر ایک احاطے میں خاندانِ لوہارو کی قبریں ہیں۔ ان ہی میں ایک قبر نواب احمد بخش خاں رئیس لوہارو کی ہے۔ یہ خانِ عرب کے سمدھی تھے اور ان ہی نے درگاہ شریف کی بیست دری کے مرمریں ستون لگوائے تھے اور درگاہ شریف کی بستی کے گرد فصیل بنوائی تھی۔ بڑے خلیق بامروت اور فیاض شخصیت کے مالک تھے۔

نواب ضیاء الدولہ

خانِ عرب کی قبر سے نواب احمد بخش کی قبر پر جاتے ہوئے بائیں طرف

ف۱: قاضی قربان علی مرحوم انگریزی حکومت کے باغیوں میں سے تھے اور بغاوت کی سزا میں انھیں قتل کر دیا گیا تھا اور ان کی جایداد ضبط کر لی گئی تھی جیسا کہ مثل بندوبست ۱۸۸۰ء سے ظاہر ہے۔ یہ بزرگ قاضی سید صفدر علی صاحب کے پردادا کے سگے بھائی تھے۔

ف۲: نواب الٰہی بخش معروف ان کے بھائی تھے جو مرزا غالب کے خسر تھے۔

Marfat.com

ایک پختہ مکان ہے جس کا دروازہ شرق رویہ ہے۔ اس مکان میں جانب جنوب ایک چبوترہ، کمرہ اور دیگر عمارت ہے اور جانب شمال ایک چبوترے پر نواب سعید الدین احمد خاں ضیاء الدولہ کی قبر ہے اور ان کے اقربا کی قبور ہیں۔ ان ہی میں ایک مرزا خواجہ تاج الدین داوریؒ کا بتایا جاتا ہے[1] جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید اور یاران اعلیٰ میں سے تھے۔

مقبرہ خواجہ حسن نظامیؒ

خواجہ صاحب کی باکمال شخصیت سے کون واقف نہیں۔ ان کے کمالات کا لوہا سب ہی مانتے ہیں۔ سحر نگار اہل قلم اور جادو بیان مقرر تھے۔ بہت ہی با اخلاق بہت ہی فیاض اور غریب پرور تھے۔ میرے والد مرحوم کے آگے کے بچے تھے۔ بزرگوں کی بھی کیا باتیں ہوتی ہیں۔ جب کبھی خواجہ صاحب کا ذکر آتا۔ تو فرماتے یہ تو بچپن ہی سے روشن دماغ ہے خواجہ صاحبؒ میرے والد سے بڑے ادب سے پیش آتے تھے۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

خواجہ صاحبؒ کی اولاد بھی صالح ہے۔ اور خواجہ حسن ثانی صاحب خواجہ صاحب کے جانشین اور بہت ہی متواضع غریب پرور اور اہل دل نوجوان ہیں۔

---

[1] نظامی بنسری ص۴۸۵ مگر امیر خوردؒ کا بیان یہ ہے کہ در حظیرۂ سلطان المشائخ بر چبوترۂ یاراں مدفن یافت (سیر الاولیا ص۳۱۲) اگر سیر الاولیا کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ امیر خوردؒ اس سمت کو دربایاں روضۂ سلطان المشائخ لکھتے ہیں (ص۳۰۵، ۳۱۱) اور باؤلی کے مشرقی حصے کو در سر آں چبوترہ یاراں لکھتے ہیں (ص۲۱۰، ۲۱۴، ۲۱۵) اور باقی حصے کو در حظیرۂ سلطان المشائخ لکھتے ہیں (ص۲۹۹، ۲۹۴، ۳۱۴) لہٰذا مزار کا موجودہ محل وقوع مشکوک ہے۔

Marfat.com

نواب ضیاالدولہ کے مکان سے گلی مغرب کو مڑگئی ہے۔ اسی میں جانب جنوب قوالی ہال ہے۔ قوالی ہال ہی میں خواجہ صاحبؒ کا عالی شان مقبرہ تعمیر ہو رہا ہے۔ جانب شمال خواجہ صاحبؒ کا عالی شان رہائشی مکان ہے۔

پھر یہ راستہ سیدھا مغرب کی طرف چل کر جنوب وشمال کو مڑ گیا ہے۔ مغرب میں سرتاسر برادرم حکیم سید حسین سلمہ، کے مکانات ہیں۔ پھر جو راستہ جنوب کو مڑتا ہے اسی کے مغرب کی طرف امام علیم الدّین مرحوم کی خام قبر ہے۔ یہ درگاہ شریف کی مسجد کے امام تھے۔ اور بڑے ہی علم دوست آدمی تھے۔ میرے والد کے بچپن کے دوست اور میرے دادا بزرگوار کے دیکھنے والوں میں تھے۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اکثر دادا بزرگوار کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ ان کی معلومات بہت وسیع تھیں اور دلّی کے چپے چپے سے واقف تھے اور یہ خوب جانتے تھے کہ کس بزرگ کا مزار کہاں ہے۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ خدا مغفرت فرمائے۔

امام صاحب کے مزار سے جانب جنوب راستے کے غربی سرے پر حکیم علوی خاں کی قبر ہے، ہے تو پختہ مگر اچھی حالت میں نہیں ہے۔ لوحِ مزار کو لونی لگ گئی ہے۔ ذرا آگے چل کر یہ راستہ مغرب کو مڑ جاتا ہے اور فصیل سے باہر اس سڑک سے جا ملتا ہے، جو باؤلی دروازے کو چلی گئی ہے موڑ ہی پر دائیں جانب کنواں ہے جو وقف ہے۔ پھر یہ شمالی راستہ بھی قطبی دروازے سے گزرتا ہوا اسی سڑک پر آملتا ہے۔ پہلے کبھی یہاں ایک دروازہ تھا جسے چھوٹا دروازہ کہتے تھے۔ فصیل کے ساتھ ہی برج حسن اور کوٹ کی عمارت ہے فصیل کے غرب میں بستی کا بیرونی علاقہ ہے۔ اور جنوب مغرب میں بارہ پلے کا نالہ ہے پہلے یہ برساتی نالہ تھا اب اس میں بدرو کا پانی گزرتا ہے۔ اسی اراضی میں جانب جنوب ایک کنواں ہے۔ جسے جھول کنوئیں کہتے ہیں۔ پہلے اس کا پانی ہلکا پھلکا خوش ذائقہ اور ٹھنڈا تھا مگر اب بدرو کے اثر سے پہلا سا نہیں رہا ہے۔ نالے کے

Marfat.com

جنوبی گوشے سے لودھی روڈ تک سرتاسر قدیم قبرستان ہے۔ جس میں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے عقیدت مندوں کی اور تیموری شہزادوں کی اور دوسرے امرا کی پرانی پرانی قبریں ہیں اور گنبد اور مُجّر بھی ہیں۔ اسی قبرستان میں میری والدہ بی بی صغریٰ بیگم اور میرے ایک عزیز دوست حکیم محمد عظیم دہلوی کی قبر ہے۔ جو میری والدہ کے گودیوں کے کھلائے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

اسی خطۂ زمین میں ایک قدیم زمانے کا پل [1] ہے۔ جو سنگین اور پختہ ہونے کے باوجود ناکارہ پڑا ہے۔ یہ قبرستان بہت ہی وسیع رقبے میں ہے۔ مگر بہت ہی بُری حالت میں ہے۔ مقبروں اور مُجّروں میں کہیں اُپلے بھر لیے ہیں اور کہیں رہائش اختیار کر لی ہے۔ اور مویشیوں کی کھوریں جا بجا بنا لی گئی ہیں۔ جن کے گوبر اور لید سے قبرستان کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ہے۔ اگر دلّی وقف بورڈ ذرا بھی توجہ کرے تو حالت سدھر سکتی ہے۔ بلکہ اگر اس میں گل بوٹے لگوا دیئے جائیں تو یہ اتنا وسیع رقبہ ہے کہ مصارفِ ضروری کا خود ہی کفیل ہو سکتا ہے۔ اس قبرستان کے مغرب میں کٹڑہ ارادت مند خاں کی عمارت ہے اور اس کے شمال میں ایک شکستہ چہار دیواری ہے بزرگ تو اسے عیدگاہ بتاتے تھے۔ مگر اب اسے گلابی باغ کہتے ہیں خدا ہی بہتر جانے کہ کیا ہے اور کیا نہیں۔

مقبرہ تلنگی

خانِ جہاں تلنگی کے مقبرے کے احاطے کو کوٹ اور کوٹلہ کہتے ہیں۔ یہ چوکور پختہ

---

[1] : اسی قسم کا ایک پُل لودھی ٹومز کے پاس ہے جو ناکارہ پڑا تھا اب اس پر سڑک بنا کر اسے کار آمد بنا لیا ہے۔ اور ایسا ہی ایک پل تیمور نگر میں ناکارہ پڑا ہے۔

Marfat.com

اور سنگین ہے اس کی شمالی دیوار چھوٹے دروازے سے شروع ہو کر دور تک مشرق میں چلی گئی ہے اور پھر مشرقی دیوار سے مل گئی ہے جو جنوب کو چلی گئی ہے۔ پھر جنوبی دیوار مغربی دیوار سے جا ملی ہے اور مغربی دیوار چھوٹے دروازے کے پاس شمالی دیوار سے آملی ہے۔ اس کوٹ کے دو دروازے ہیں ایک مغربی دیوار میں ہے جسے نالہ دروازہ کہتے تھے جو پھول کنوئیں کے سامنے ہے اور اب بند ہے۔ کہتے ہیں کہ جب سورج مل جاٹ[1] نے ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۲ء میں بستی کو لوٹا تھا تو وہ اسی دروازہ سے داخل ہوا تھا۔ دوسرا دروازہ اس کا شمالی دیوار میں ہے اور مشرقی دیوار کے نزدیک ہے۔ یہ دروازہ مغربی دروازہ سے زیادہ پختہ اور سنگین ہے۔ پہلے اتنا اونچا تھا کہ کئی سیڑھیاں چڑھنی پڑتی تھیں۔ اب ملبہ پڑتے پڑتے دہلیز کا پتھر بھی دب گیا ہے۔ اور اس پر اینٹ کا فرش کر دیا گیا ہے۔ اس دروازے کے سامنے شمالاً جنوباً سرتاسر بستی کا بازار ہے۔

اسی دروازے سے اندر جا کر شمال مغربی حصے میں خانِ جہاں تلنگی کا مقبرہ ہے جو سنگِ سُرخ سے بنا ہوا ہے۔ بیچ میں گنبد ہے اور ارد گرد غلام گردش ہے مقبرے کی حالت اندر سے درست ہے۔ گنبد خوب بلند ہے اور گنج کا بنا ہوا ہے اور اس پر گھاس اُگ آئی ہے۔ اس مقبرے کی غلام گردش کے ساتھ ساتھ مکانات بنا لیے گئے ہیں جو نہایت خراب و خستہ ہیں اور مقبرے کے اندر جانے کا راستہ بھی ایک مکان ہی میں ہے۔ اس لیے کوئی سیاح اندر جا کر دیکھ نہیں سکتا۔ میں نے کوئی بارہ برس ہوئے جب ایک دفعہ اندر جا کر دیکھا تھا۔

کوٹ کے اندر کوئی چار سو[2] برس سے آبادی ہے۔ اور حوض و چمن کی نمود بھی نہیں

---

[1] : سیر المتاخرین جلد ۳ صہ ۸۹۲

[2] : مثل بندوبست ۱۸۸۰ء ۱۲۹۸ھ

رہی ہے۔ البتہ جب کوئی بنیاد کھودی جاتی ہے تو کہیں کہیں آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ مقبرے کے تحفظ کے لیے محکمہ آثار قدیمہ کو متوجہ ہونا چاہیئے۔

خانِ جہاں تلنگی مقبول

یہ تلنگانہ کا رہنے والا تھا اور کنو[1] اس کا نام تھا اور رائے تلنگ[2] کے مقربوں میں تھا۔ جب سلطان محمد تغلق نے رائے تلنگ کو دلّی بھیجا اور وہ راستے میں مر گیا۔ تو یہ محمد تغلق سے وابستہ ہو گیا اور سلطان محمد تغلق کے روبرو اسلام قبول کیا۔ سلطان نے مقبول[3] نام رکھا اور خوب نوازا۔

خانِ جہاں بڑا دانا اور ہوشمند تھا۔ اور بہت لائق تھا۔ لہٰذا دلّی کا نائب وزیر بنا دیا گیا۔ اور خواجہ جہاں احمد ایاز (راجکمار ہر دیو) کی نیابت میں کام کرتا رہا اور پورے محکمے پر چھا گیا چنانچہ بادشاہ نے اسے قوام الملک[4] کا خطاب اور ملتان[5] کا صوبہ عنایت فرمایا۔

اس کے بعد عہد فیروز شاہی میں بھی بڑی وفاداری کا ثبوت دیا لہٰذا سلطان فیروز شاہ تغلق نے خانِ جہاں کا خطاب عطا فرمایا اور وزیر اعظم کے عہدے پر سرفراز کیا[6]۔ خانِ جہاں مخدوم نصیر الدّین چراغ دہلی کا مرید[7] تھا۔ حضرت مخدوم نے باوضو[8] رہنے کی ہدایت فرمائی تھی اور اس پر یہ عمل کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر مسند پر وضو کی

[1، 2] : تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف صد ۳۹۴ کلکتہ

[۳، ۴، ۵] : فیروز شاہی (مذکور) صد ۳۹۵

[۶] : فیروز شاہی مذکور صد ۴۰۴

[۷، ۸] : فیروز شاہی مذکور صد ۴۲۳

Marfat.com

ضرورت ہوتی تو بے تکلف اُٹھ کر وضو کر لیا کرتا تھا۔ رات کو پلنگ کے پاس لوٹے بھروا کر اور طشت رکھوا لیا کرتا تھا۔ جب آنکھ کھلتی تو اٹھ کر وضو کر لیتا اور پھر سو جاتا[۱] کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ صوم وصلوٰۃ کا بھی پابند تھا۔ جب ستّر سال سے زیادہ عمر ہو گئی تو کچھ دن بیمار رہ کر ۷۶۸ھ ۱۳۶۷ء[۲] میں وفات پائی اور حضرت محبوب الٰہیؒ کی بائیں کی طرف دفن ہوا[۳] بعد میں مقبرہ تعمیر ہوا۔ جو اب تک مقبرہ خانِ جہاں تلنگی کے نام سے مشہور ہے۔

خانِ جہاں تلنگی جونانشہ

جس زمانے میں خانِ جہاں مقبول ملتان کا حاکم اعلیٰ تھا۔ اور ملتان ہی میں رہتا تھا تو جونانشہ پیدا ہوا۔ خان جہاں مقبول نے سلطان محمد تغلق کو اطلاع دی اور نام تجویز کرنے کے لیے بھی درخواست کی سلطان نے بڑی خوشی سے یہ لکھا کہ اس بچے کا نام میں نے جونانشہ رکھا ہے[۴] جو میرا پیدائشی نام ہے۔ چنانچہ اب وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ خانِ جہاں مقبول اس بچے کو شیخ الاسلام مولانا رکن الدّین ملتانیؒ کی خدمت میں لے گیا تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا: قوام الملک! یہ لڑکا بڑا ہی نیک ہو گا۔ اور اسی سے مخلوق تجھے یاد رکھے گی[۵] مولانا کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ اس کی یادگار عمارتوں کی یاد سے خانِ جہاں مقبول کو بھی یاد کر لیا جاتا ہے۔ یہ لڑکا بھی بہت لائق نکلا اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے

۱ہ: فیروز شاہی مذکور صہ ۴۲۲

۲ہ: فیروز شاہی مذکور صہ ۴۲۴

۳ہ: فیروز شاہی مذکور صہ ۴۲۴

۴ہ: فیروز شاہی مذکور صہ ۴۲۵

Marfat.com

خانِ جہاں مقبول کی وفات کے بعد اسی کو وزیر اعظم بنایا اور خانِ جہاں کا خطاب بھی دیا[1]۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام خانِ جہاں جونا نشہ مقبول ابن خانِ جہاں مقبول ہے ۔ یہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی وفات تک بلکہ اس کے بعد بھی وزیر اعظم رہا اور بہت سے کارِ خیر انجام دیئے اور کئی عظیم الشان مسجدیں تعمیر کرائیں ۔ اپنے باپ کا مقبرہ بھی تعمیر کرایا اور اس کے مشرق میں ایک بڑی عالیشان مسجد تعمیر کرائی ۔ جو جامع فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہے ۔

جامع فیروز شاہی (کالی مسجد)

یہ مسجد تعمیر کے اعتبار سے فیروز شاہی مسجدوں میں بے مثل ہے ۔ اور فیروز شاہی مسجدوں میں سب سے بڑی ہے ۔ اور مسجد نبوی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نمونے کی ہے اس کو دیکھتے ہی مسجد نبوی صلعم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ۔ یہ کوئی چار بیگھے یعنی چار ہزار (۴۰۰۰) گز زمین پر بنی ہوئی ہے اس کا مغربی دالان تین گہہ کا ہے جس کا رقبہ تقریباً پانسو پچاس مربع گز ہے ۔ اور اس پر تینتیس ۳۳ گنبدوں کی چھت تھی ۔ جو تہتر ۷۳ ستونوں پر قائم تھی ۔ اس دالان کے نو گنبد رہ گئے ہیں باقی گر گئے ہیں ۔ دالان کے گیارہ بیرونی در ہیں ۔ جو نہایت بلند اور وسیع ہیں ۔ اس دالان میں بیک وقت ایک ہزار آدمی با جماعت نماز پڑھ سکتے ہیں ۔ اس مسجد کے تین دروازے ہیں صدر دروازہ مشرق میں ہے جس کی پیشانی پر کتبہ نصب ہے ۔ صدر دروازے سے دالان تک ایک مسقف راستہ ہے اور یہ راستے پانچ پانچ گز چوڑے ہیں ۔ مسجد کے شمال و جنوب اور مشرق میں دالان ہیں وہ بھی پانچ پانچ گز چوڑے ہیں ۔ مسقف راستوں کی بنا پر اس کے چار صحن ہو گئے ہیں جو

---

[1] : فیروز شاہی مذکور ص ۴۲۶

بہت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مسجد کل ۷۰ گنبدوں پر مشتمل تھی جس میں صحن سے ۲۴ دالان کے اور ۵ جنوب مشرقی گوشے کے گر چکے ہیں۔ گویا کہ ۳۵ گنبد گر چکے ہیں اور ۱۴۱ باقی ہیں۔ یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہے۔ مگر اس کی حالت نہایت خستہ و خراب تھی فرش سب ٹوٹ چکا تھا۔ دیواروں میں بڑے بڑے خلا ہو گئے تھے چھتیں گر گئی تھیں گنبدوں کا مصالحہ جھڑ گیا تھا۔ اور پتھر ہی پتھر رہ گئے جو بس خدا کی شان ہی سے رکے کھڑے تھے۔ چمگادڑوں کا آشیانہ اور مویشیوں کا رمنا اور عیاشی کا اڈا بنی ہوئی تھی کہ یکایک پاسہ پلٹا۔ اور اس ناگفتنی حالت میں مسلمانوں نے اس کی طرح توجہ کی چنانچہ صدر دالان کا اور شمالی دالان کا اور نصف مشرقی دالان کا فرش بن چکا ہے۔ بعض دیواروں اور محرابوں کی اور ۱۳ گنبدوں کی مرمت ہو چکی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک ایک گنبد میں گیارہ گیارہ بوری سیمنٹ صرف ہوا ہے۔ اور اگرچہ ابھی تقریباً ایک چوتھائی کام ہوا ہے۔ لیکن مسجد ایسی ہو گئی ہے کہ دیکھنے سے جی خوش ہوتا ہے۔ پانی کا نل بھی لگ گیا ہے اور یہ کام زیادہ تر دلی شہر کے اہلِ خیر کی توجہ سے انجام پایا ہے۔

یہ مسجد خانِ جہاں جونانشہ مقبول نے اپنے باپ کے انتقال کے دو برس بعد ۷۷۲ھ ۱۳۷۰ء میں تعمیر کرائی تھی جسے اب چھے سو دس برس ہوتے ہیں۔ اس کے صدر دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

بکرم و فضل حق سبحانہ و تعالیٰ در عہدِ دولتِ سلطان السلاطین الزماں الواثق بتائید الرحمان۔ ابو المظفر فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و اعلے شانہ ایں مسجد بنا کردہ بندہ زادہ درگاہ۔ آسماں جاہ عالم پناہ جونانشہ مقبول الملقب بخانِ جہاں ابن خانِ جہاں در سال ہفت صد و ہفتاد و دو از

صہ مسقف راستے کے

Marfat.com

ہجرت۔ پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم خدا اے بر آں بندہ رحمت کند ہر کہ

دریں مسجد نماز بگزارد ایں بندہ را بفاتحہ و دعاء ایمان یاد کند۔

یہ مسجد اندر سے چھیالیس گز آٹھ گرہ لمبی اور چھیالیس گز چار گرہ چوڑی ہے اور کوئی دو دو گز کے آثار ہیں اور کوئی پانچ پانچ گز دروازے عمارت سے آگے نکلے ہوئے ہیں۔ اور اب کوئی پانچ پانچ گز زمین ارد گرد ہے۔

مسجد[2] کے صدر دروازے سے مشرق ہی کی طرف راستہ ہے جو تھوڑی دور چل کر جنوب کو مڑ جاتا ہے اور بھیک دروازے سے جا ملتا ہے۔ بھیک دروازہ عرب سرائے دلی کے غربی دروازے کے سامنے تھا مگر اب نشان بھی نہیں رہا۔ یہاں ایک مسجد ہے۔ جو شیخ صدر الدین صاحب کے بزرگوں کی بنائی ہوئی ہے۔ یہاں سے ایک راستہ شمال کو چلا جاتا ہے۔ جو بنگلے والی مسجد کے سامنے پہنچتا ہے اور سڑک سے جا ملتا ہے اسی راستے کے مغرب میں جماعت منزل کی عمارت ہے جو پیر جماعت علی شاہ رح کی یاد

ف۱: اب دالان کی چھت بھی بن گئی ہے۔

ف۲: مسجد کے جنوبی دروازے سے اب راستہ نظام الدین ایکسٹینشن کی سڑک پر چلا جاتا ہے درمیان میں بدرو ہے جس پر عنقریب دلی کارپوریشن پلیہ بنوانے والی ہے۔ مگر جنوبی دروازے سے جو راستہ بھیک دروازے تا چھوٹے دروازے والی سڑک پر آتا تھا وہ اب بند ہے۔ وہاں ایک شخص نے حال ہی میں دکان بنالی ہے حالانکہ بیعنامہ جات سے ظاہر ہے کہ وہ راستہ ہے مثلاً (۱) بیعنامہ اقراری بھولو بحق نور الدین دستاویز نمبر ۲۵۴ مصدقہ رجسٹری ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء ۱۳۴۵ھ (۲) بیعنامہ اقراری نور الدین بحق اللہ دیا مصدقہ رجسٹری ۱۳ مئی ۱۹۲۷ء ۱۳۴۶ھ دستاویز نمبر ۱۱۰۰۳ (۳) بیعنامہ اقراری کلو وغیرہ بحق کلن مصدقہ رجسٹری ۷ اپریل ۱۹۴۵ء دستاویز نمبر ۳۱۴ - ہماری دعا ہے کہ خدا اس شخص کو توفیق عنایت فرمائے اور وہ مسجد کا راستہ کھول دے۔

Marfat.com

میں ان کے خلیفہ حاجی امام الدّین صاحب جماعتی نے تعمیر کرائی ہے۔ دوسرا راستہ مغرب کو جاتا ہے۔ جو چھوٹے دروازے سے باہر نکل جاتا ہے اور درمیان میں کوٹ کے شمالی دروازے کے سامنے سے شمال کو چلا جاتا ہے اور یہ بستی کا بازار کہلاتا ہے۔ اس بازار کے جنوب مغربی گوشے میں بغدادی والی مسجد ہے اور اسی کے حجرے میں بغدادی صاحب کا مزار ہے جو ایک درویش کامل اور خدا رسیدہ بزرگ گزرے ہیں جنوب کی طرف تھوڑے سے فاصلے پر جانب غرب ایک گلی ہے جس میں دائیں طرف ایک احاطے میں حضرت سید کریم رضا شاہ گیاوی ؒ کا مزار پُر انوار ہے۔ اور عجب سکون کا مقام ہے۔ ۲۲ رمضان ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء تاریخ وصال ہے گیاہ کے باشندے اکثر زیارت کو آتے ہیں اس درگاہ کی زیارت کے بعد پھر بازار میں آجاتے ہیں۔ شمال کی طرف آگے بڑھتے ہی سکینہ والی مسجد ہے۔ جو ہے تو بازار کے مغربی حصّے میں لیکن آگے نکلی ہوئی ہے۔ اس مسجد کے جنوب مشرقی گوشے میں ایک حُجرہ ہے جس میں حافظ غیاث الدّین مرحوم اور ان کی صاحبزادی سکینہ بیگم کی قبر ہے۔ مسجد کے جنوبی حصّے میں بھی بہت سی قبریں ہیں مسجد کے شرق میں ایک محلہ ہے جسے علی کوٹ کہتے ہیں۔ اس میں دائیں طرف ایک مکان ہے جس میں ایک کمرہ ہے اور نواب سید حسن خاں کے   خاندان کی قبریں ہیں۔ دروازے پر کتبہ ہے جس پر لکھا ہے: قبرستان نواب سید حسن رضا خاں۔ اسی گلی کے شمال مغربی سرے پر مقبول منزل ہے جو میرے عزیز الحاج سید مقبول حسن زیدی کی نو تعمیر خوشنما عمارت ہے۔ اس کے پاس احمد آباد منزل ہے۔ یہیں سے گلی اندر چلی گئی ہے سامنے ہی ایک احاطے میں میاں کالے صاحبؒ کے اقربا کی قبریں ہیں۔ گلی سے باہر بازار میں مغرب کی طرف مشائخ منزل ہے اور مشرق کی طرف چودھری حسن مثنی صاحب کا مکان ہے۔

Marfat.com

مزار میر محمد زمان خاں عرب

اسی مکان کی شمالی اور مغربی دیوار کی چھوت میں ایک چبوترہ ہے جس کے حاشیے میں سنگِ خارہ کے صاف ستھرے بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اور چبوترے پر دو تربتیں ہیں۔ جن کے تعویذ سنگِ باسی کے ہیں ان میں سے مردانی قبر میر محمد زماں خاں[1] کی ہے اور زنانی قبر ان کی اہلیہ[2] کی ہے۔ یہ خانِ عرب کے والد و والدہ کی قبریں ہیں، اور یہ ساداتِ عرب سرائے میں سے تھے۔ جو میری دادی محترمہ کے سگے نانا نانی تھے۔

یہاں سات قدم آگے بڑھ کر جانب شرق ایک قدیم گنبد ہے جس میں کئی قبریں ہیں۔

---

[1] : میر محمد زماں خاں کے تین بچے تھے۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی جن کا نام حرمت بیگم تھا۔ ان کی صاحبزادی ولایتی بیگم۔ ان کے چار بچے تھے دو لڑکے دو لڑکیاں چھوٹے صاحبزادے میرے والد سیّد ابراہیم حسین تھے۔ میر محمد زماں خاں کے دو لڑکوں میں ایک محمد امیر لاولد رہے دوسرے محمد عوض عرف مغل بیگ خانِ عرب تھے ان کے چھ بچے تھے دو لڑکے چار لڑکیاں، لڑکے لاولد رہے ایک لڑکی افضل زمانی بیگم زوجہ نواب شمس الدین خاں دوسری لڑکی امامی بیگم زوجہ خان خاناں سید محمد خاں رئیس جاور تیسری لڑکی جانی بیگم زوجہ حکیم محمود خاں جن کے صاحبزادے مسیح الملک حکیم اجمل خاں تھے چوتھی لڑکی اور اولیا بیگم زوجہ خواجہ احمد حسن ان کی لڑکی حمیدی بیگم ان کے صاحبزادے حکیم سرفراز الرحمٰن اور ان کے صاحبزادے حکیم عزیز الرحمٰن جو حکیم بھیسوں والے کہلاتے ہیں اور اب بستی نظام الدّین اولیا ہی میں رہتے ہیں۔ اولیا بیگم کے صاحبزادے خواجہ محمد حسن تھے ان کے صاحبزادے خواجہ یوسف حسن ان کی صاحبزادی وقار بیگم زوجہ عزیز میاں نیازی بریلوی مدظلہ العالی تھیں۔

[2] : یہ خاتون سید فتح علی حسینی (ابن سید عوض علی ابن میر عثمان علی) کی ہمشیرہ زادی تھی۔ سید فتح علی حسینی کا مزار پہاڑی بھوجلہ دلّی میں ہے۔

Marfat.com

اس گنبد کو کہتے ہیں۔ یہ موقوفہ اور محفوظ البیع ہے۔ اور اس سے جانب غرب و شمال بھی قبریں ہیں۔ شمالی قبرستان میں ایک قبر قاضی ضامن علی مرحوم کی ہے۔ جنھوں نے مطلوب الطالبین کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جس کا نام شواہد نظامی ہے۔ اور اسی کے سامنے والے چبوترے پر ایک قبر مولوی لیسین علی مرحوم کی ہے جو سیرت نظامی کے مصنّف ہیں۔ پھر یہ راستہ مشرق کی طرف مڑ کر شمال کی طرف چلا گیا ہے۔ اور کمرہ سلیمان جاہ کے پاس ان سڑکوں سے مل گیا ہے جو متھرا روڈ اور لودھی روڈ سے جا ملی ہیں۔ اور بس یہاں بیرونی عمارات و مزارات کے سلسلے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

گرد و نواح

اس بستی کے گرد و نواح میں دور دور تک تاریخی عمارتیں اور مزارات ہیں۔ ان سب کے حالات تو اس مختصر کتاب میں قلم بند کیے نہیں جا سکتے۔ البتہ بطور یادگار نام گنوا دیئے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

عرب سرائے۔ منڈی عرب سرائے، مقبرہ عیسیٰ خاں، حلیمہ کا باغ۔ عظیم گنج (سرائے مغلیہ) مقبرہ ہمایوں، چلّہ شریف (جماعت خانہ اور خانقاہ حضرت محبوب الٰہیؒ) نیلا برج (مقبرہ مرزا فہیم) بتاشے کا محل، درگاہ شمس الدین اوتاد اللہ (پیتے والی درگاہ) مزار مولوی عبدالقدیر قادریؒ۔ سندر نرسری، پرانا قلعہ، درگاہ شیخ ابوبکر طوسی (مٹکے والی درگاہ) درگاہ شیخ نور الدین ملک یار پرانؒ، شیر شاہ گیٹ۔ فرسخ خیر المنازل (مدرسہ ماہم انگہ) درگاہ بی بی فاطمہ سامؒ، لال بنگلہ، مقبرہ سید عابد شہید، درگاہ مسکین شاہ، نیلی چھتری (مقبرہ نوبت خاں) سید دل کا مقبرہ اور مسجد، بارہ کھمبہ، اٹھوانس (باغ) منڈی مسجد، لودھیوں کے مقبرے، لودھیوں کی مسجدیں، سنگین پل، مقابر مبارک پور کوٹلہ، بستی باؤلی، مسجد و مقابر، درگاہ حضرت نور محمد بدایونیؒ، مقبرہ سنجر، درگاہ سید

Marfat.com

محمود بحارؒ، مزار رکن الدین فردوسیؒ، تیمور نگر کاپل و مینارہ، خضر کی گمٹی، شاہی مسجد جنگ پورہ، مقبرہ عبدالرحیم خان خاناں، مقبرہ صفدر جنگ، مقابر علی گنج وغیرہ متعدد عمارتیں اور مسجدیں، مقبرے اور مزارات ہیں۔ اور یہ سرزمین تاریخی یادگاروں سے پٹی پڑی ہے۔ خواجہ حالی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپے چپے پہ ہے یاں گوہرِ یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

(دیوان حالی)

عرب سرائے[1] دلی

مولوی سید احمد دہلوی رقم طراز ہیں:

حضرت نظام الدین اولیاءؒ اکثر اس سرزمین پر تشریف لا کر بیٹھا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس سرزمین سے کمال انسیت ہے کیونکہ یہاں سے مجھے بوئے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم آتی ہے۔[2]

یہ عمارت جو عرب سرائے کے نام سے مشہور ہے اکبر اعظم کی والدہ نواب حمیدہ[3] بانو

---

[1]: سرا بمعنی مکان و گھر مثل حرم سرا گھر بمعنی مسافر خانہ غلط ہے۔ مہماں سرا یا کارواں سرا ہونا چاہیئے۔ (غیاث اللغات ص ۲۲۲)

[2]: فرہنگ آصفیہ جلد ۳ ص ۲۶

[3]: حمیدہ بانو مشہور بزرگ سید احمد جام پیر زندہ میل کی اولاد سے تھیں۔ ۸۰ برس (بقیہ ص ۲۲۳)

نے ۶ جلوس اکبری ۹۶۹ھ ؍ ۱۵۶۱ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اور ان عربوں کو یہاں آباد کیا تھا۔ جنھیں وہ فراغت فریضہ حج کے بعد ارضِ حجاز سے تحفۃً ہمراہ لائی تھیں:

صاحبِ مفتاح التواریخ کا بیان ہے:

عرب سرا..... بنا ساختۂ بیگم موصوف است و آں را عرب سرا ازاں سبب گویند وقتے کہ بیگم بہ حج رفتہ از عربستاں سہ صد کس را ہمراہ خود آوردہ۔ آں مکان را برائے ایشاں تعمیر نمودہ[1]

ان تین سو میں سے ۱۰۰ سادات کرام ۱۰۰ شیوخ والاتبار اور ۱۰۰ خدام تھے۔ شیوخ اور سادات کرام شرفاء و معززینِ عرب میں سے تھے اور جو ثقاف، بالفقیہ، باحسن (حسنی حسینی)، باطہ، بالود، باکثیر، بالنور، جمل اللیل قبائل سے تھے۔ اور خدام بدّال، بقّال اور بقّان قبائل میں سے تھے۔

شرفائے عرب سرا تمام تر علوم دینیہ میں یکتا مفسر و محدّث اور فنِ تجوید و قرأت کے امام اور حافظ قرآنِ پاک تھے اور اس خوبی سے تلاوت کرتے تھے کہ ان کی آواز سے پتھر دل بھی ہل جاتے تھے۔ نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

عرب سرائے بہ سبب توطن اہلِ عرب کہ ہمہ موظفتِ بادشاہی اند آب و رنگ دیگر یافتہ..... چوں ہمگی حفاظ اند و از قواعد تجوید آشنا سامع را انحظاظے بہم می رسد و عجب نماز سراپا حضوری میسر می آید[2]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کی عمر میں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ ؍ ۱۶۰۲ء کو انتقال ہوا۔ مقبرہ ہمایوں میں قبر ہے۔

[1] مفتاح التواریخ ص ۲۰۸ نیز تاریخ جدولیہ ص ۴۸۵ آثار الصنادید ص ۳۲ واقعات دارالحکومت دہلی جلد ۲ ص ۶۹۳ قاموس المشاہیر جلد ۱ ص ۲۱۳

ان ہی اوصاف کی بنا پر اکثر نامور علما و مشایخ ان عربوں کے فیض سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں :

اہلِ شہر خصوصاً صلحاً و اتقیا بمقتضائے مناسب نظر باین صومعہ رسیدہ اکتساب مثوبات اخروی و احرار مقاصد معنوی کام یاب مدعا می شوند[1]

حتی کہ حضرت مولانا فخر جہاںؒ بھی ۲۷ رمضان المبارک کی شب کو ان ہی عربوں کی معیت میں شب بیداری فرماتے تھے جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ نواب غازی الدین خاںؒ (وزیر اعظم ہند) لکھتے ہیں :

در رمضان شریف .... شب بست و ہفتم درسرائے عرب تشریف بردہ گذرانیدن معمول[2] او بود

بیگم نے ایک دارالعلم بھی قائم کیا تھا جو مقبرہ ہمایوں میں تھا۔ اسی لیے آج تک دلّی والے مقبرے کو مدرسہ کہتے ہیں۔ اس دارالعلم میں بھی عرب درس دیتے تھے جو اپنے عہد کے فاضل اجل اور عالم متبحر تھے۔ اور اس کے ساتھ ایک عالی شان کتب خانہ بھی تھا۔ الحاج محمد زبیر مارہروی لکھتے ہیں :

مقبرۂ ہمایوں کی چھت پر ایک زبردست مدرسہ تھا۔ جس میں بڑے بڑے فاضل اساتذہ درس دیتے تھے۔ مدت تک یہ علم کی نشر و اشاعت کا مرکز رہا۔ اس دارالعلوم کے ساتھ ایک نہایت عمدہ کتب خانہ بھی تھا[3]

[1,2] : مرقع دہلی صہ ۳۵ مناقب فخریہ قلمی صہ ۳۷

Marfat.com

عہد محمد شاہ تک یہ مقام عربوں کی بود و باش کے لیے مخصوص تھا اور آخر تک سلاطین مغلیہ عقیدت و ارادت کا سلوک روا رکھتے تھے۔ آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر بھی اسی اخلاص و اعتماد کی بنا پر مقبرۂ ہمایوں میں اور مغل شہزادہ مرزا خضر اور شہزادہ ابوبکر عرب سرائے میں روپوش ہوئے اور یہیں سے (۲۲ ستمبر کو) گرفتار ہوئے تھے۔ (۲۳ کو) تراب علی انگریز بہی خواہ کی معیت میں عرب سرائے کی تلاشی ہوئی اور ہتھیاروں کی ضبطی عمل میں آئی۔ بادشاہ کی گرفتاری کے دن عرب سرائے سے گولی بھی چلائی گئی تھی۔ انجام کار انگریزوں کے استبداد نے ان عربوں کو بھی اجاڑا اور عرب سرائے کو بھی۔ راقم بھی ان ہی عربوں کے اخلاف میں سے ہے مساجد و قبرستان کی تولیت بدستور راقم کے خاندان میں ہے۔ اس عمارت میں حکومت کا دستکاری سکول ہے۔

کتابت:

میاں عبید اللہ

لے: اسلامی کتب خانے ص ۲۱۱

Marfat.com

حضور ضیاء الامت

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی

یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن

جلد ۵

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن

قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر
لفظ سے اعجازِ قرآن کا حسن نظر آتا ہے

سیرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب ضیاء النبی

جلد ۷

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے
معمور تصنیف

سنت خیر الانام

فتنہ انکارِ سنت پر تحقیقی اور تنقیدی کتاب

مقالات

مختلف علمی، روحانی اور معاشی
موضوعات پر جامع مقالات
کا مجموعہ

قصیدہ اطیب النغم

خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پرسوز
اور دلآویز شرح

مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات شریف

مشائخ عظام چشتیہ نظامیہ و دیگر سلاسل
کے معمولات اور اوراد و وظائف کا مجموعہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور 7221953-7220479
فیکس 7238010

۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 7225085-7247350

۱۴۔ انفال سنٹر اردو بازار کراچی 2210212-2212011
2630411

1Z172

Marfat.com